دفتر رابطہ

الفتح

مطبوعات

ماہنامہ

لوح و قلم

چیف ایڈیٹر: بختیار ملک

۶۹۔ ڈی ۵۰ - نرسری کمرشل ایریا، پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

تزئین
عبد الرحمٰن

اپریل ضمیمہ

۱۹۷۹ء

قیمت
۵ روپے

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خاں خٹک
بلوچستان ○ مقیم کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ مدد علی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈوالٰہیار ○ کامل ستوں،
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرون ممالک

پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
نیوز پیپر ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نفیسہ

خاص مضامین

ہوشیار! جلاد کا ہاتھ کہیں پاکستان کا جھٹکا نہ کر دے —— منہاج برنا —— ۵
دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف .... —— غینوں کی ڈائری —— ۷
بھٹو کے حوصلے کے سامنے "دوسروں" کا حوصلہ پست ہوگیا —— ذوالفقار حیدری —— ۸
بھٹو اور بین الاقوامی پریس —— ۹
عدنان میندریس اور بھٹو میں مماثلت —— وہاب صدیقی —— ۲۱
بھٹو نے ساڑھے تین لاکھ روپے سالانہ مالیہ معاف کیا اور اب... —— نواز خلجی —— ۲۶
مصر، اسرائیل "معاہدۂ امن" —— شبیہ الحسن —— ۳۲

ناشر: بختیار ملک، مطبع ناظر پریس کراچی

سرحدیں بچایئے

ہم یہ سطور اس یقین کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ آپ تک پہنچنے تک یہ بعد از وقت نہیں ہو جائیں گی بشرطیکہ تعصّب، تنگ نظری اور نفرت کی سیاہ آندھی کشادہ دلی، وسیع النظری، محبّت اور معقولیت کے تمام چراغوں کو گُل نہ کر دے۔

آپ واقف ہیں کہ ہم نے ان سطور میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ اقتدار اور ان کی معزولی کے بعد بھی ان کی سیاست اور ان کے مخالفوں کی سیاست کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ یہ اظہارِ خیال اس ملک کے عوام کے بہترین مفادات کے مطابق اور اس کا تابع ہو۔ جو پالیسیاں اور اقدامات عوام کے مفاد میں رہیں ان کی بلا جھجک حمایت کی اور جو عوام کے مفادات کے خلاف رہیں ان پر تنقید میں کوئی رعایت نہیں برتی۔ صداقت کی اس راہ پر قائم رہنے کی جو قیمت ہمیں ادا کرنی پڑی، پڑ رہی ہے اور آئندہ بھی پڑتی رہے گی ہم اس سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

آج جب کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی موت اور زندگی کا مسئلہ درپیش ہے ہم نہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو اس بات پر تُلے بیٹھے کہ نتائج کچھ بھی نکلیں موقعے سے فائدہ اٹھا کر مسٹر بھٹو کو تختۂ دار پر کھینچ دیا جائے اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کی آنکھوں پر تعصّب نے ایسی پٹّی باندھ دی ہے کہ وہ خود اپنے رفیقِ کار ڈاکٹر نذیر احمد اور اپنے ایک حلیف کے جواں سال فرزند اسداللہ مینگل کے قتل تک کو بھول گئے ہیں۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ بھی نہیں ہیں جو جنرل ضیاؔ سے صدرِ مملکت کی حیثیت میں رحم کی درخواستیں کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اعلیٰ عدالتوں کی قانونی تشریحات کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت اور ریاست کی سربراہی کا اصل اختیار صرف انہیں حاصل ہوتا ہے جنہیں آپ یعنی اس ملک کے عوام بہ رضا و رغبت یہ اختیار تفویض کریں۔

ہم اس رائے کے حامل ہیں کہ مسٹر بھٹو کو سپریم کورٹ کے جس ایک ووٹ کی اکثریت سے مجرم قرار دے کر سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا تھا، اب نظرِ ثانی کی درخواست پر اسی معزّز عدالت کے فیصلے اور اسی عدالت کے ایک معزّز جج مسٹر جسٹس صفدر شاہ کی اس کے مضمرات کے بارے میں تشریح کے بعد سزائے موت کے فیصلے پر عمل درآمد کا قانونی جواز باقی نہیں رہا۔ اس کے علاوہ ملک کے چاروں صوبوں کے عوام اور خاص طور پر تین اقلیتی صوبوں کے عوام کی اکثریت کے جو احساسات ہیں ان سے وہ لوگ بھی یقیناً واقف ہوں گے جنہیں گردشِ ایام نے فیصلہ کرنے کا اختیار سونپا ہے۔

سُوئے اتفاق یا حُسنِ اتفاق سے آج جو لوگ مقتدر حیثیت میں ہیں ہم ان سے صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ اُن کا فیصلہ لہُو کی ایسی بجائی ثابت نہ ہو جس سے نفرت اور دشمنی کی ایسی فصلیں اُگیں جو بے مثال قربانیوں کے بعد حاصل کردہ اس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کو خطرے میں ڈال دیں۔

پُرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

اسداللہ مینگل کے قاتلوں کو اب تک پھانسی پر کیوں نہیں لٹکایا گیا

؟

ہشیار! جلاد کا ہاتھ کہیں پاکستان کا جھٹکا نہ کر دے

جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں اپریل کی دوسری تاریخ ہے اور بعض اخباروں کی اطلاع کے مطابق ۴ اپریل کی صبح بدھ کے روز سابق وزیر اعظم بھٹو کو سپریم کورٹ کے اکثریتی فیصلے کے مطابق موت کی سزا دے دی جائے گی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شاید آخر وقت میں کوئی معجزہ ہو جائے یا صدر ضیاء الحق کے دل میں رحم پیدا ہو جائے اور وہ مسٹر بھٹو کی جان بخش دیں لیکن معجزے شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں اور انہیں عام لوگ معجزہ کہتے ہیں یا قسمت کہتے ہیں۔ اس کے بھی مادی وجوہ ضرور ہوتے ہیں، ہاں وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

جہاں تک اس قیاس آرائی کا تعلق ہے کہ شاید ضیاء الحق آخری وقت میں جان بخشی کا فیصلہ کریں۔ بیشتر لوگ مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بھٹو کی جان بخشی کی اپیلوں کے مقابلہ میں احمد رضا قصوری کی باتوں کو زیادہ وزن دیں گے۔ قصوری نے کہا ہے کہ اگر مسٹر بھٹو زندہ بچ گئے تو وہ بقول ان کے ملک کے لئے بڑی تباہی کا باعث ہوں گے نیز وہ ایران کی طرح پاکستان کے جرنیلوں سے انتقام لیں گے ——
پی این اے کی جماعتوں کے لیڈر بھی یہی کہہ رہے ہیں بلکہ انہیں زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ کہیں غلطی سے صدر ضیاء مسٹر بھٹو کی سزا کم نہ کر دیں ۔ اس معاملہ میں جماعت اسلامی اور اس کا اخبار جسارت زبردست مہم چلائے ہوئے ہے۔ پھر سپریم کورٹ کے جج مسٹر جسٹس صفدر شاہ کے بیان پر بڑی لے دے کی گئی ہے حالانکہ ان کا صرف اس قدر قصور ہے کہ انہوں نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کے ایک حصّہ کی وضاحت کر دی اور یہ کہا کہ کورٹ نے انتظامیہ سے سفارش کی ہے کہ وہ سزا کم کرے چاہیئے تو یہ تھا کہ دوسرے جج یہ وضاحت کرتے کہ آخر واقعی وہ سفارش ہے یا نہیں لیکن کہا یہ گیا کہ عدالت عظمیٰ اپنے فیصلوں کی وضاحت نہیں کرتی یعنی لوگ اگر اس کا غلط نتیجہ نکالیں اور فیصلہ پر غلط عملدرآمد کریں تو عدالت کو اس سے بحث نہیں ہوتی

ایک تجربہ کار وکیل صاحب سے میں نے پوچھا کہ کیوں صاحب کیا عدالتوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ فیصلے اس طرح لکھیں کہ ان میں ابہام رہ جائے یا وہ کسی استاد کا ایسا شعر بن جائیں جس کو سمجھنے کے لئے ایک عدد شرح علیحدہ لکھی جائے مثلاً یہی بات مسٹر بھٹو کی نظر ثانی کی درخواست پر سپریم کورٹ کے سات ججوں نے جو فیصلہ لکھا ہے اس کے اس حصے کا کیا مطلب ہے جس میں انتظامیہ سے کہا گیا ہے کہ وہ رحم کی اپیل پر غور کرتے وقت صفائی کے وکیل کے دلائل پر غور کرے۔ کیا یہ جان بخشی کی سفارش نہیں

اسرائیل سے یاری کرنیوالے کو کینوں کے کریٹ بھیجے گئے

ہے۔ جسٹس صفدر شاہ کہتے ہیں کہ یہ سفارش ہے۔ جب جسٹس صفدر شاہ نے یہ بات کہہ ہی دی تھی کہ بھر لقیہ چھ ججوں پر لازم تھا کہ وہ اپنی تعبیر پیش کرتے اور بتاتے کہ وہ اسے سفارش سمجھتے ہیں یا نہیں، اگر سفارش نہیں سمجھتے ہیں تو پھر ان الفاظ کو فیصلہ میں شامل کرنے کا کیا مقصد تھا؟ ۔ میرا اپنا خیال ہے کہ جب اس ملک میں مارشل لاء ختم ہوگا اور جمہوریت بحال ہوگی تو پھر عدلیہ سے متعلق یہ مسائل اچھی طرح زیر بحث آسکیں گے مثلاً یہ کہ آئندہ اس نوع کے الزامات کی وضاحت کرنا ہوگی جس کے بارے میں عام لوگ قیاس آرائی کرتے ہیں اور جن کا ذکر ملک کے ایک ذمہ دار انگریزی اخبار یعنی ڈان نے اپنی یکم اپریل کی اشاعت میں ایک شہری کا خط شائع کرکے کیا ہے۔ اس خط میں امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل مسٹر رمزے کلارک کے اس مضمون کا اقتباس پیش کیا گیا ہے جو اٹارنی جنرل موصوف نے نیویارک ٹائمز کی ۴ر فروری کی اشاعت میں لکھا تھا اور جس میں یہ الفاظ درج ہیں!۔

یہ اکثریتی فیصلے سے اختلاف کرنے والے تین میں سے ایک جج نے اپنے فیصلہ میں یہ موقف اختیار کیا کہ استغاثہ اپنے بڑے گواہ (وعدہ معاف گواہ) کی شہادت کی صحت کو ثابت نہ کرسکا۔ دوسرے جج نے کہا کہ جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں ان میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس کے پیش نظر معقولیت کی بنیاد پہ بے گناہی ثابت نہ ہوتی ہو۔ پھر اب یہ بات محض قیاس آرائی نہیں کہ اگر وہ دو جج بھی بنچ پر موجود ہوتے تو ایسا ہی فیصلہ لکھتے (جیسا کہ تین ججوں نے لکھا ہے) ان دو میں سے ایک جج کو جس نے یہ کہا تھا کہ وہ دباؤ قبول نہیں کریں گے ریٹائر کردیا گیا۔ دوسرے جج کو مبینہ طور پر علیل ہونے کے سبب ہٹا دیا گیا کیونکہ حکومت کے ایک مقرر کردہ طبی بورڈ نے جج موصوف کی علالت کا فیصلہ دیا تھا۔ گویا اس طرح چار کے مقابلہ میں پانچ کی اکثریت سے بریت کے فیصلے کو تین کے مقابلہ میں چار کے سزائے موت کے فیصلے میں تبدیل کردیا گیا ۔۔۔ مسٹر بھٹو کے مخالفین بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اگر آج بھی منصفانہ الیکشن کرایا جائے تو مسٹر بھٹو پھر بھاری اکثریت سے وزیر اعظم منتخب ہوجائیں گے ۔۔۔ یہ حقیقت کہ مقدمہ کے دوران اور سزا کے بعد ان کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان کے بیشتر عوام عدالتی کارروائی پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے سے قانون کی حکمرانی مستحکم نہیں ہوگی بلکہ اس کے نتیجہ میں اندرونی خلفشار میں اضافہ ہوگا ۔۔۔"

خیر یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ سابق وزیر اعظم کو پھانسی دینے کے نتیجہ کے طور پہ کیا اثرات ملک پر مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تشویش کی بات ضرور ہے کہ آخر صدر ضیاء الحق دنیا بھر کے سربراہوں کی اور اندرون ملک ہزاروں اپیلوں سے متاثر کیوں نہیں نظر آتے۔ شاید اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسٹر بھٹو کے لئے بڑے پیمانے پر کوئی ایجی ٹیشن نہیں ہوا ۔۔۔ کوئی عوامی تحریک نہیں چلی۔ آج بیشتر لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ صدر ضیاء الحق اگر مسٹر بھٹو کی جاں بخشی نہیں کرتے اور سزائے موت پر عمل درآمد کرتے ہیں تو موجودہ حکومت کے علاوہ اس کے پیپلز پارٹی کے وہ رہنما اور مرکزی کمیٹی کے وہ ارکان بھی ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے جو اس وقت آزاد ہیں اور مبصرین کے نزدیک مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے تو خود کو محض قانونی چارہ جوئی تک محدود رکھا اور اپنے لئے اسی کو باعث فخر سمجھا کہ انہوں نے کراچی اور راولپنڈی کے درمیان کتنے چکر لگائے اور سپریم کورٹ اور سندھ ہائی کورٹ میں کتنی حاضریاں لگوائیں۔ ان میں سے بعض نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مسٹر بھٹو کی جگہ پھانسی پر چڑھنے کو تیار ہیں، بعض نے کہا کہ وہ مسٹر بھٹو کے بغیر سیاست کا تصور ہی نہیں کرتے۔ بعض دوسرے لوگ مسٹر بھٹو کی بہادری اور جواں مردی کے بارے میں قصیدہ گوئی کرتے رہے۔ بعض سابق جج حضرات اس پر اکتفا کرتے رہے کہ بھٹو کے لئے پھانسی کے سیل میں کچھ سہولتیں فراہم کرنے کا مطالبہ کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پیپلز پارٹی کے بعض رہنما مسٹر بھٹو کے دن گن رہے ہوں۔ عام لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا پیپلز پارٹی کے یہ رہنما لاہور، راولپنڈی اور لاڑکانہ کی سڑکوں پر نکل کر مظاہرہ نہیں کرسکتے تھے اور احتجاجی گرفتاری پیش نہیں کرسکتے تھے۔ کیا وہ یہ بھول گئے کہ عام کارکن تو اپنے چیئرمین کے لئے جل مرنے تک کو تیار تھے اور ان میں سے بعض نے خود سوزی کرکے اپنی جان کی قربانی بھی دی۔ اگر رہنما تھوڑی سی بھی قربانی دینے کو تیار ہوں تو عام کارکن اس سے کئی گنا زیادہ قربانیاں دیتے ہیں۔ لیکن یہ صورتحال کوئی غیر متوقع نہیں۔ ان رہنماؤں میں بیشتر لوگ بڑے طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے طبقاتی مفادات اور ان کا طبقاتی مزاج انہیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ لوگ اچھے موسم کے ساتھی ہیں اور گفتار کے غازی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کے سمجھوتے حکام سے ہوچکے ہیں۔ یہ بات سچ بھی ہوسکتی ہے اور جھوٹ بھی۔ ہر دو صورتوں میں اس کا ثبوت مستقبل قریب میں مل جائے گا۔

وہ لوگ جو اس ملک میں جمہوریت اور صحیح معنوں میں قانون کی حکمرانی کی بحالی کے خواہاں ہیں انہیں چاہئیے کہ وہ موجودہ صورتحال سے صحیح سبق حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا انحصار کسی فردِ واحد کی زندگی یا موت سے وابستہ نہیں۔ لیکن اس بات سے ضرور ہے کہ اس ملک میں انصاف ہوتا ہے یا نہیں؟ شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق انہیں ملتے ہیں یا نہیں؟ اس ملک کے اسّی فیصد انسانوں یعنی مزدوروں اور کسانوں کا استحصال ختم ہوتا ہے یا نہیں؟ ہمیں صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کرنے کے لئے کچھ سوالات کا جواب تلاش کرنا چاہئیے۔

—— نواب محمد احمد خاں کے مبیّنہ یا اصل قاتلوں کو سزا دینے کے لئے مقدمہ چلایا گیا لیکن موجودہ حکومت سے پہلے اور موجودہ حکومت کے دوران متعدد سیاسی قتل ہوئے ان کے قاتلوں کا پتہ چلا کر ان پر مقدمہ کیوں نہ چلایا گیا اور انہیں سزا کیوں نہ دی گئی؟

—— سردار عطاء اللہ مینگل کے صاحبزادے اسد اللہ مینگل کے قاتلوں کو سزا کیوں نہیں دی جاتی۔

—— کالونی ٹیکسٹائل ملز کے سرکاری طور پر اٹھارہ اور غیر سرکاری طور پر پچاس سے زیادہ مزدوروں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کا صرف قصور یہ تھا کہ وہ بونس کا مطالبہ کررہے تھے۔ ان کے قاتلوں کی نشاندہی کیوں نہ کی گئی، انہیں سزا کیوں نہیں دی گئی؟

—— ایک فرد کے قتل سے زیادہ بڑا جرم ملک کے محترم اداروں کا قتل ہے کسی ملک کے متفقہ طور پر منظور کردہ آئین کو منسوخ کرنا یا معطل کرنا، منتخب حکومت کو برطرف کرنا اور منتخب پارلیمنٹ کو بزورِ طاقت توڑنا، ایک فرد کے قتل سے زیادہ سنگین جرائم ہیں بلکہ قومی جرائم ہیں جن کا ارتکاب ہمارے ملک میں تین مرتبہ کھلے بندوں کیا گیا۔ ۵۸ء میں، ۶۹ء میں اور ۷۷ء میں ۔۔۔ ان سنگین قومی جرائم اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کا آج تک کوئی محاسبہ نہیں کیا گیا، آخر کیوں؟

ان سوالات کا صحیح جواب معلوم کرنا اور صحیح جواب معلوم کرنے کے بعد قومی مفاد میں اس سلسلہ میں ضروری

(باقی ص۴۹ پر)

غیبوں کی ڈائری

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف

اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

معزول وزیر اعظم، اسلامی سربراہی کانفرنس کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کی موت کی کوٹھری میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گِن رہے ہیں اور آخری لمحے کے منتظر ہیں۔

۳۰ مارچ اور یکم اپریل ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب کو رحم کی اپیل داخل کرنے کا وقت ختم ہو چکا۔ مگر مسٹر بھٹو نے رحم کی اپیل نہیں کی۔ کیونکہ وہ سیاستدان ہیں۔ ایک عظیم سیاستدان، اور ایک حقیقی سیاستدان نظریاتی بہادر ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک ہتھیار نہیں ڈالتا۔ حالات کا پامردی سے مقابلہ کرتا ہے۔ وہ ہتھیار ڈالنے، رحم کی بھیک مانگنے کی بجائے پھانسی کے پھندے کو چومنے کو فوقیت دیتا ہے۔ مسٹر بھٹو کی بیویوں اور بچوں نے بھی رحم کی اپیل نہیں کی اور اس طرح انہوں نے مسٹر بھٹو کی اس خواہش کا احترام کیا، جس کا وہ مختلف اوقات میں برملا اظہار کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی بیویوں اور بچوں سے کہا تھا کہ "تم میں سے کوئی بھی میرے لئے رحم کی اپیل نہیں کرے گا"۔

البتہ پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ اپنے تاحیات چیئرمین کی خواہش کا احترام نہ کر سکی۔ اور ۳۱ مارچ ۱۹۷۹ء کو اس نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت ختم یا کم کرنے کے لئے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیا الحق سے درخواست کر دی۔ مرکزی مجلس عاملہ کے مطابق اس نے "رحم کی اپیل نہیں، بلکہ "عرضداشت" کی ہے۔ مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان راولپنڈی میں تین دن تک غور کرتے رہے کہ مسٹر بھٹو کی جان بچانے کے لئے کیا کیا جائے۔ پیپلز پارٹی کے یہ رہنما باہمی بحث میں مصروف تھے اور دوسری طرف پارٹی کے کارکن "پارٹی لائن" کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے، وہ سڑکوں پر آنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے رہنماؤں کا گھیراؤ کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ عوامی جدوجہد کا طریقہ اختیار کریں۔ میدان میں اتریں اور عوام کی قیادت کریں۔ مگر رہنما تیار نہ ہوئے۔

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جب ۶ فروری ۱۹۷۹ء کو سپریم کورٹ نے ۴-۳ کے اکثریتی فیصلے کے تحت سزائے موت بحال رکھی تو ۷ فروری کو پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں مسٹر بھٹو کے ایک خصوصی پیغام پر، جو انہوں نے جیل سے بھیجا تھا، غور و خوض کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے قریبی ذرائع کے مطابق مسٹر بھٹو نے اس پیغام میں مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ "بیرونی ممالک کا دباؤ اور غیر ملکی رائے عامہ مجھے نہیں بچا سکتی۔ صرف پاکستان کے عوام ہی مجھے بچا سکتے ہیں، ریاستی طاقت کا مقابلہ سڑکوں کی طاقت سے کیا جاتا ہے۔ عوامی جدوجہد اور تحریک سے کیا جاتا ہے۔ اور عوام اُسی وقت میدان میں آسکتے ہیں جب مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان ایک حکمت عملی کے تحت مختلف شہروں میں تحریک چلانے اور اس کی قیادت کرنے کے لئے کمر کس لیں"۔ پیغام میں مزید کہا گیا تھا، کہ "اگر آپ میری زندگی بچانا چاہتے ہیں۔ تو پھر آپ وقت ضائع کئے بغیر میدان میں کود پڑیں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر گھروں میں بیٹھ جائیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ تو میں ایک ہیرو، تیسری دنیا کی آزادی کے ایک مجاہد کی طرح پھانسی کے تختے پر چڑھنے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکا ہوں"۔

معلوم ہوا ہے کہ جب اجلاس میں مسٹر بھٹو کا یہ پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ تو یک دم سناٹا چھا گیا، تقریباً پندرہ منٹ تک مکمل خاموشی رہی، جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر کچھ لوگوں نے خاموشی توڑی، پیپلز پارٹی کے قریبی ذرائع کے مطابق چند رہنماؤں نے مسٹر بھٹو کے پیغام پر فوری طور پر عمل کرنے پر زور دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ مرکزی مجلس عاملہ "راست اقدام" کا فیصلہ کرے۔ لیکن ارکان کی اکثریت، جو وڈیروں، چوہدریوں اور سرداروں پر مشتمل تھی، نے

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

بھٹو کا پیغام سنتے ہی انہیں سانپ سونگھ گیا

مسٹر بھٹو کی پہلی بیوی امیر بیگم جیل میں اپنے شوہر سے ملاقات کرنے کے لئے ہوٹل سے روانہ ہو رہی ہیں ↑

ٹیلی فون کے پانچ کنکشن سے انہیں ہر لمحہ کی خبر دی جاتی ہے

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

بھٹو کے حوصلے کے سامنے دوسروں کا حوصلہ پست ہو گیا

جیل میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے بستر پلنگ، میز کرسی لکھنے پڑھنے کا تمام سامان شیو کا سامان پانی پینے کا گلاس حد یہ ہے کہ ادویات تک واپس لے لی گئی ہیں ان کا بستر زمین پر بچھا دیا گیا ہے جہاں بڑھی ہوئی داڑھی لئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اس بات کے منتظر ہیں کہ ایک شخص کب ان سے بدسلوکی کی انتہا کرتا ہے ہر حربے کو انہوں نے جس حوصلے سے برداشت کیا ہے اس سے دوسروں کے حوصلے مزید پست ہوئے ہیں جیل مینول، اخلاقی اصول اور اسلامی مساوات کے تمام اصول لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے گئے ہیں۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو انتظامیہ کی نگرانی میں دیدیا گیا ہے جہاں ایک اور سپرانتظامیہ ایک کرنل کی نگرانی میں جیل میں موجود ہے۔

جیل میں ٹیلیفون کے پانچ کنکشن لگائے گئے ہیں تاکہ لمحے لمحے کی خبر دی جاتی رہے۔ حالانکہ جہاں خبر پہنچانی مقصود ہے وہ جگہ ڈسٹرکٹ جیل سے زیادہ دور نہیں ہے۔

سادگی اور کفایت کے نام پر چیف آف دی آرمی اسٹاف کے گھر کو جس طرح ایوانِ صدر میں تبدیل کر دیا گیا ہے وہ اس امر کا غماز ہے، شاید ایسا اہتمام کیا جائے کہ آئندہ ہر چیف آف دی آرمی اسٹاف ملک کا صدر بھی ہوا کرے گا کیونکہ جو لوازمات اب موجودہ چیف آف دی آرمی اسٹاف ہاؤس میں صدرِ مملکت کے قیام پذیر ہونے کی وجہ سے فراہم کر دیئے گئے ہیں وہ ہر چیف آف دی اسٹاف کو بلحاظِ عہدہ فراہم نہیں کیے جا سکتے۔ اصل میں کامن سینس کی بڑی کمی ہے اسی لئے تو ان تمام امور پر کسی کی نظر نہیں گئی ورنہ جس انداز میں اسلامی سادگی کفایت کا نام لے کر سارے کام کیے گئے ہیں اور لاکھوں روپے سے آرائش توسیع اور تعمیر کے کام ہوئے ہیں ان کا کوئی تو نوٹس لیتا مگر ساری خرابیاں ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی جماعت کے اقتدار تک ہی ملک میں تھیں ۵ جولائی کے بعد سے ان تمام خرابیوں کا جڑ سے خاتمہ کر دیا گیا ہے اب تو کوئی بے قاعدگی نہیں ہوتی، نہ اقربا پروری ہوتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی دھاندلی ہوتی ہے اگر ذوالفقار علی بھٹو ایک سیاسی جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے یہ خواہش کریں کہ ان کی سیاسی جماعت انتخابات جیت لے تو یہ "جرم" قابلِ گردن زنی ہے لیکن اگر کوئی شخص جو کسی سیاسی جماعت کا سربراہ ہی نہ ہو اور ایسے انتظامات کرے کہ انتخاب میں اس کی مرضی کی جماعت مثبت نتائج حاصل کر کے حکومت بنائے تو یہ اقدام عین اسلام ہے اور اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں۔ دوہرے اصولوں پر ہم کب تک دوسروں کو پرکھتے رہیں گے اور ہم کب تک اپنی ذاتی انا کے لئے قومی اور ملکی مفادات

(باقی ص۴۹ پر)

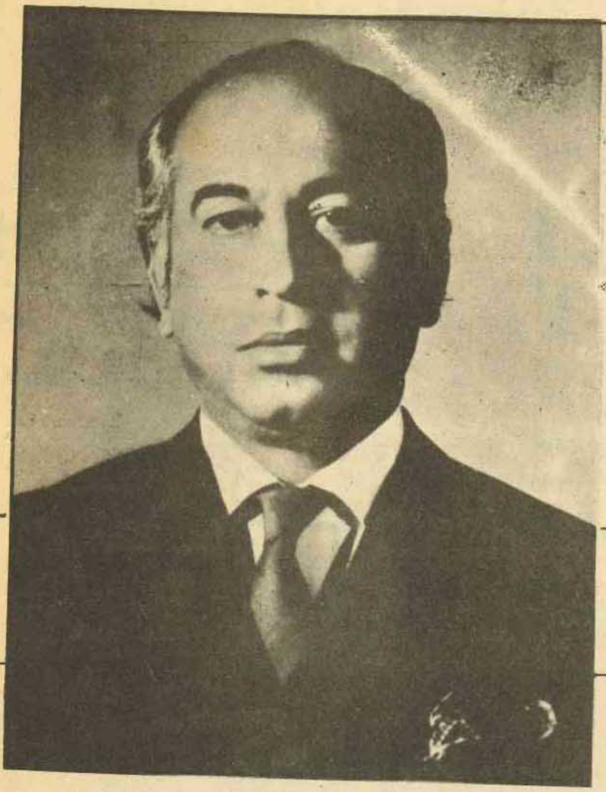

بھٹو کی پھانسی کے خلاف بھارت کے علماء کا فتویٰ

مرکز دار العلوم دیوبند جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے،
کے مفتی اعظم اور چیف محکمہ قضا سید احمد علی سعید نے یہ مضمون ارقام فرمایا ہے — !

بھٹو کو دی گئی موت کی سزا اسلامی احکامات کے خلاف ہے۔

ہر مسلمان اور فرد کو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ وہ قوم جو اسلامی احکام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہے اور وہ حکومت جو اسلامی احکام کے نفاذ کا وعدہ کر رہی ہے، اس کے دور حکومت میں ایک عظیم حادثہ ہونے جا رہا ہے جو اسلام اور شریعت کے احکام کے قطعاً خلاف ہے لیکن وہ حضرات جنہوں نے الیکشن کی غلط کاریوں کے نام سے اسلام کا نام لے کر ایک ہنگامہ کھڑا کیا تھا وہ بھی آج اس غیر اسلامی عظیم حادثہ پر اپنے لبوں پر مُہر خموشی لگائے ہوئے ہیں

دعویٰ یہ ہے کہ احمد رضا قصوری اور ان کے والد ایک کار میں جا رہے تھے۔ کار پر حملہ ہوا۔ گولیاں چلیں، مقصد تھا احمد رضا قصوری کو مار دینا۔ لیکن وہ بچ گئے اور ان کے والد گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

یہ نہیں کہا گیا کہ بھٹو نے گولی چلائی بلکہ گولیاں چلانے والا بھٹو کا آلۂ کار تھا چنانچہ اخبار "دعوت" ہی کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ خفیہ پولیس کے ذریعہ حملہ کرایا گیا۔ اسلامی اور مصطفوی قانون کی رو سے یہ قتل خطا ہے۔ اس لئے کہ احمد رضا قصوری کے والد کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا اور قتل خطا میں قتل کرنے والے پر بھی قصاص نہیں جیل و بند کی صعوبتیں نہیں ہیں بلکہ کفارہ ہے۔ پھر شرعی حکم تو یہ ہے کہ اگر چند افراد ایک شخص پر ایک ساتھ حملہ کر کے اس کو قتل کر دیں تو جس نے زخم کاری لگایا جس سے موت واقع ہوتی صرف اس سے قصاص لیا جائے گا۔ دوسروں سے نہیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بھٹو نے قتل کا حکم کیا تھا۔ اور اس کا شرعی ثبوت بھی فراہم ہو گیا تو پھر بھی اسلامی اور شرعی قانون کی رُو سے بھٹو پر قصاص نہیں آتا اور اس کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔

لیکن وہ محکمہ جس کے سامنے بھٹو کو مجرم بنا کر پیش کیا گیا ایک ہی نہیں بلکہ کئی افراد کو پھانسی کا حکم کر رہا ہے یعنی جن جن کو سازش میں ملوث کیا گیا ان سب کو گردن زدنی قرار دے دیا گیا۔

یہ فیصلہ اسلام اور مصطفوی قانون کے خلاف ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ فوجداری یا فوجی عدالت کے قانون کے تحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو اس عظیم واقعے اور حادثے میں اسلامی احکام کے نفاذ کا نام لینے والوں اور مطالبہ کرنے والوں پر کیا یہ اسلامی فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ کم از کم وہ یہی اعلان کر دیتے کہ یہ فیصلہ احکام اسلامی کے قطعاً خلاف ہے۔ بجائے اس کے ایسی خلاف شرع سزا اور حکم کا سراہنا۔ اسلام اور اس کے احکام اور اسلامی حکومت کو بدنام کرنا نہیں ہے، تو اور کیا ہے۔ جن کو مسائل اور احکام شریعت سے واقفیت ہے ان کے نزدیک یہ فیصلہ اور وہ بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کا نام لینے اور وعدہ کرنے والوں کی طرف سے اسلامی احکام کے خلاف اور توہین ہے اور اگر فقہا اور دانشوروں کا طبقہ اس کو ظلم عظیم سے تعبیر کرے تو ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکے گا اور ظلم اور ظالم کے بارے میں قرآن حکیم میں جو وعیدیں اور سزائیں ہیں ان کو کون پڑھا لکھا نہیں جانتا۔

یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس مضمون سے میرا مقصد کسی ملک کے معاملات میں مداخلت کرنا نہیں ہے بلکہ جو لوگ اسلام اور مصطفوی نظام کے اجرا کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جس حکومت نے مصطفوی نظام کے نفاذ کا بار بار وعدہ کیا اور کر رہی ہے اس کو اور عالم اسلام اور پوری دنیا کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ بھٹو کو دی گئی سزا غیر اسلامی اور مصطفوی نظام کے سراسر خلاف ہے۔ جس مقدمہ میں بھٹو کو سزا دی گئی ہے اس میں بھٹو قید و بند کی سزا کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ مقدمہ قتل کا ہے جس کی نوعیت قتل خطا کی ہے جس میں نہ قصاص ہے نہ جیل کی کوٹھری ●

نیوز ڈیک ۲-اپریل ۷۹ء

بھٹو نے جان بچانے کے "ذلت آمیز" طریقے کو مسترد کر دیا

پاکستان کے سابق وزیر اعظم ۵۱ سالہ ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے ان کے وکلاء صفائی کی آخری اپیل پاکستان کے سپریم کورٹ نے ۲۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو راولپنڈی میں مسترد کر دی اور ۱۹۷۴ء میں اپنے سیاسی حریف کے قتل کا حکم دینے کے الزام میں بھٹو کو سزائے موت دینے کے اپنے ۴-۳ کے فیصلے کو بحال رکھا۔

بھٹو کی تقدیر اب صدر محمد ضیاء الحق کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے ۱۹۷۷ء میں ان کا تختہ الٹا تھا۔ پاکستان کے قانون کے تحت بھٹو کے پاس ضیاء سے رحم کی درخواست کرنے کے لئے ایک ہفتہ ہے۔ لیکن راولپنڈی جیل میں اپنی موت کی کوٹھری سے بھٹو نے پچھلے ہفتے ایسے طریقہ کار کو "ذلت آمیز" قرار دے کر مسترد کر دیا اور اپنے خاندان کو ان کی طرف سے معافی کی کوئی درخواست کرنے سے منع کر دیا۔ اگر وہ رحم کی درخواست کریں بھی تو اس کا بہت کم امکان ہے کہ ضیاء اسے منظور کر لیں۔ امریکہ کے صدر جمی کارٹر، سوویت رہنما لیونائیڈ بریژنیف اور پوپ جان پال دوم کی اپیلوں کے باوجود ضیاء نے کہا ہے کہ وہ پاکستانی عدالتوں کے فیصلے کے خلاف نہیں جائیں گے۔ تقریباً ۶ سال تک پاکستان پر حکومت کرنے والے بھٹو کو ۲۴ گھنٹے کے نوٹس پر پھانسی دی جا سکتی ہے۔ ●

ٹیلی کوگرز - ہوسٹن

انتہا پسندی کا ردِ عمل شدید ہوتا ہے

امریکی ریاست ٹیکساس کی ہوسٹن یونیورسٹی سے شائع ہونے والے "ڈیلی کوگرز" نے اپنی حالیہ اشاعت میں پاکستان اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر عرفان احمد کا پاکستان کی تازہ ترین صورتحال پر مبنی ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ پاکستان کے عوام ان دنوں مایوس کن حالات سے سخت دل برداشتہ ہیں اور وہ مایوس نظروں سے گزرنے والے حالات دیکھ رہے ہیں۔

پاکستان کے عوام کو بھٹو کی سزا میں وزن نظر نہیں آتا البتہ مولانا مودودی نامی ایک شخص جناب بھٹو کی قسمت کا ذمہ دار ضرور ہے۔ مودودی انتہا پسند افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت کے رہنما ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں انہوں نے اپنے چند کٹر ساتھیوں کے ساتھ قیام پاکستان کی شدید مخالفت کی۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد اپنا فیصلہ تبدیل کیا اور پاکستان منتقل ہو گئے۔ اس کے چھ برس بعد انہیں مسلمانوں کو کھلم کھلا قتل اور خونریزی کے لئے اکسانے پر سزائے موت سنائی گئی مگر اس وقت کے سعودی حکمران شاہ سعود کی مداخلت پر انہیں معاف کر دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں مودودی کی جماعت نے جنرل یحییٰ خان کو مسلح رضاکار مہیا کئے۔ ان رضاکاروں نے سابقہ مشرقی پاکستان میں معصوم بنگالیوں کا قتل عام کیا جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آیا حالانکہ مودودی کی جماعت کے ارکان کی تعداد تین ہزار سے زائد نہیں ہے لیکن وہ اس وقت مبینہ طور پر فوجی حکمرانوں کے چیف سیاسی مشیر کے طور پر کام کر رہے ہیں اور ان کی پالیسی کی تشکیل کرتے ہیں۔ مودودی کی جماعت کے اکسانے پر ہی جناب بھٹو کو راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ملکی اقتصادی بدحالی کے باوجود حکومت لوگوں کے مسائل سے پہلو تہی کرتی نظر آ رہی ہے اور اس کے بجائے ملک میں عوام کا مورال بڑھانے پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے اور انہیں متقی اور پرہیزگار بنایا جا رہا ہے۔ اقلیتوں کو مساوی حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ حکومت نے ان کو ان کے علاقوں میں ووٹ ڈالنے کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ اور اب انہیں پارلیمنٹ کی بعض مخصوص نشستوں کے لئے ووٹ دینے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ بہرحال کسی بھی انتہا پسندانہ اقدام کا ردِعمل ویسے بھی شدید ہوتا ہے۔ یقیناً پاکستان کے عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کو راہ سے ہٹانے والوں کو معاف نہیں کریں گے۔ جناب بھٹو کے معاملے کو نمٹانے کے لئے جس سنگدلی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے جناب بھٹو کے حامیوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اس صورتحال کے نتیجہ میں ہمارے پیارے وطن کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ●

پاکستان کے سیاسی اور اقتصادی افق پر بھٹو کا مسئلہ چھایا ہوا ہے

شمالی سرحد کے اس پار مسلمان باغی افغانستان میں سوویت یونین کی حامی حکومت کے خلاف لڑائی کو تیز کر رہے ہیں۔ مغرب میں ایران میں بلوچ خود مختاری کے لئے مطالبے بڑھ گئے ہیں داخلی طور پر ملک ابھی تک مذہبی اور علاقائی بنیادوں پر تقسیم ہے اور سابق وزیر اعظم بھٹو کا ہر وقت درپیش مسئلہ موجود ہے۔ کیا ضیاء اتنے طویل عرصے تک برقرار رہیں گے کہ ملک میں اتحاد اور دستوریت بحال کر سکیں؟

اپنے جنوبی ایشیاء کے دورے کے کئی دن بعد امریکہ کے ڈپٹی سیکرٹری آف اسٹیٹس وارن کرسٹوفر نے ایوان کی ایشیا اور بحر الکاہل کے معاملات سے متعلق ذیلی کمیٹی کے سامنے بیان دیا جس میں پاکستان کی وقت کے خلاف دوڑ کو گھٹا کر پیش کیا گیا۔ انہوں نے کہا "اگر پاکستان کو کافی وقت دیا جائے کہ کسی بیرونی خطرے کے بغیر اپنے داخلی مسائل حل کرے تو ایسی حکومت وجود میں آئے گی جو عوام کی توقعات پر پوری اترے اور تمام لوگوں کو نظام کے اندر مفاد کی ضمانت دے۔"

کرسٹوفر کے بیان کی صداقت پر سوچ بچار کرنے والے پاکستانیوں کو کوئی اعتراض نہیں۔ بحث اب اس نکتے پر مرکوز ہے

کیا جنرل ضیا حالات کو قابو میں رکھ سکیں گے؟

بقاء کی ضمانت کے لئے کتنا وقت موجود ہے. گو کہ ملک کے حکمران خطرے کی ان علامات کی طرف سے بہ ظاہر بے حس ہیں جن میں دن دونا اضافہ ہو رہا ہے. اس رویّے کا مخصوص مظہر وزیر محنت چوہدری ظہور الٰہی کا ۱۶ مارچ کا یہ بیان ہے کہ ملک کے اندر اور باہر موجودہ حکومت کے خلاف سازشیں تیار کی جا رہی ہیں کیونکہ مغربی طاقتیں اسلامی نظام کے نفاذ سے خوفزدہ ہیں۔

خطّے کی صورتحال پر بحث کرتے ہوئے بعض عناصر کی نشاندہی کی جو پاکستان پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے پڑوسی افغانستان میں سوویت یونین کی حامی ایک مضبوط حکومت کے وجود میں آنے، کابل کی طرف سے بعض سرحدی علاقوں پر دعوے کے احیاء کے بارے میں اسلام آباد کے اندیشے، پاکستان کے صوبہ بلوچستان اور صوبۂ شمال مغربی سرحد میں باغیانہ تحریکوں کی ممکنہ افغان حمایت اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بگڑتے ہوئے توازن کا ذکر کیا۔ انہوں نے انتباہ بھی کیا کہ "اب اس امر کا واقعی خطرہ ہے کہ گہری جڑیں رکھنے والی تاریخی اور نفسیاتی طاقتیں دوبارہ عود کر آئیں گی" اور یہ بھی کہ "اس خطّے میں بڑی طاقتوں کے آلودہ ہونے اور مقابلے میں شدت آ جائے گی۔"

بعض ذمہ دار مقامی رہنما زیادہ سے زیادہ فکرمند ہوتے جا رہے ہیں۔ تحریک استقلال کے صدر ایئر مارشل اصغر خان نے کہا کہ "پاکستان کے بچانے کا یہ آخری موقع ہے اور اس بار جب تک کہ معقولیت پسندی جذباتیت پر غالب نہ آئے ملک کی سالمیت کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے"۔ ۲ روز بعد نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی پی) کے صدر شیر باز مزاری نے کہا کہ جنوبی ایشیا میں بڑی طاقتوں کے درمیان شدید کشمکش پاکستان کو دوسرا ویتنام بننے سے بچانے کے لئے سخت چوکسی کی متقاضی ہے۔ بلوچ رہنماؤں نے بھی پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانے کی کوششوں کی ضرورت کے بارے میں بیانات دیئے ہیں۔

حیرت ہے کہ ان شدید اندیشوں کے بوجھ کے باوجود خارجہ پالیسی کے ناقابل عمل اقدامات پر بحث جاری ہے۔ صدر ضیاء الحق نے خود اعلان کیا ہے کہ پاکستان میں کسی بڑی طاقت کی دشمنی برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے۔ بہرحال ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ روسی وسائل پہلے ہی اتنے پھیلے ہوئے ہیں کہ ماسکو کو پاکستان کے اقدامات کے خلاف شدید ردعمل کی اجازت نہیں دیتا اور اسی بناء پر اسلام آباد کو افغان مسلم باغیوں کی مدد کرنے میں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

افغان حکومت کو بڑھتی ہوئی بغاوت کا سامنا ہے لیکن پاکستان کے اندر گوریلا تربیتی کیمپوں کے بارے میں ابتدائی اطلاعات کی یہاں حکومت نے فوری تردید کی ہے مگر افغان مزاحمتی گروہوں نے راولپنڈی میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس منعقد کی اور کہا کہ انہیں پاکستان میں سیاسی پناہ ملی ہے اور یہ کہ وہ کابل کی حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کر رہے ہیں، کچھ دباؤ پڑنے کے بعد اسلام آباد نے ایک بار پھر اپنے ملوث ہونے سے انکار کیا اور الزام مغربی ذرائع ابلاغ پر رکھ دیا کہ وہ اس علاقے کی نازک صورتحال کو مزید نازک بنانے کے لئے گمراہ کن پروپیگنڈے میں ملوث ہو رہے ہیں مگر اس نے اقرار کیا کہ ۳۵ ہزار افغان مہاجرین کو پناہ دے رہا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی تھا کہ تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

افغانستان واحد مسئلہ نہیں ہے جس کے بارے میں پاکستان فکرمند ہے۔ ایران میں عدم استحکام کے عمومی اندیشوں کے علاوہ ایران اور پاکستان کی سرحد پر رہنے والے بلوچیوں کے خود مختاری کے مطالبے سے بھی تشویش لاحق ہے۔ پاکستانی اسلحہ کی "خریداری کی فہرست" میں امریکہ نے زبردست کاٹ چھانٹ کر دی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ نیو دہلی کی مخالفت کی بناء پر یہ اقدام کیا گیا ہے اور اس پر اضافہ یہ پیچیدگی ہے کہ پاکستان کے کئی روایتی حمایتی یہاں غیر نمائندہ حکومت کے مسلسل جاری رہنے کے بارے میں تحفظات رکھتے ہیں گو کہ اسے کھل کر بیان نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے مسائل ایک تجزیاتی نظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ داخلی نوعیت کے ہیں اور بہ آسانی غیر ملکیوں کے ہاتھوں استعمال ہونے کے لئے خود کو پیش کرتے ہیں اسی طرح کا ایک مسئلہ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ممکنہ پھانسی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نہ صرف پاکستان کی داخلی سیاست بلکہ غیر ممالک سے اس کے تعلقات پر بھی چھایا ہوا ہے۔ اپنی معزولی سے مہینوں پہلے شاہ ایران نے ضیاء کو پیغام بھیجا جس میں اس بناء پر بھٹو کو پھانسی نہ دینے پر زور دیا گیا تھا کہ اس کے بعد پاکستان میں ہونے والی گڑبڑ پورے خطّے کو متاثر کر سکتی ہے۔ اس پیغام کے بعد سے اس خطّے میں ہونے والی تبدیلیوں نے پاکستان کے دوستوں کے اندیشوں کو مضبوط ہی کیا ہے گو کہ بعض لوگ بھٹو کو پھانسی دینے کی صورت میں کسی بڑی گڑبڑ کو خارج از امکان قرار دیتے ہیں لیکن طویل مدت میں پاکستان کے استحکام پر اس کے مضر اثرات کے بارے میں بہت کم لوگ شک کرتے ہیں۔

پھانسی دینے کے اخلاقی جواز سے قطع نظر پاکستان کے پڑوسیوں اور خیر خواہوں کے اندیشوں کی بنیاد ملک کے اندر کے مخصوص عوامل ہیں۔ وفاق پاکستان کی تشکیل کرنے والے ۴ صوبوں میں پنجاب کی آبادی ملک کی کل آبادی کا ۵۴ فیصد ہے اور تاریخی وجوہات کی بناء دوسرے صوبوں کے مقابلے میں زیادہ خوشحال ہے۔ یہ نہ صرف اقتصادی زندگی اور سیاست بلکہ شہری انتظامیہ اور مسلح افواج پر چھایا ہوا ہے۔ اسی لئے بلوچستان کے ایک سابق وزیر اعلیٰ اور بلوچی سیاست میں ایک معتدل مزاج شخص، عطاء اللہ مینگل نے کہا کہ قومی مسائل کے حل کے سلسلے میں پہل قدمی ۳ اقلیتی صوبوں کی طرف سے نہیں بلکہ پنجاب کی طرف سے ہونی چاہئیے۔

"تازہ ترین مقامی کمیونسٹ نظریہ اسی خیال کی پیروی کرتا ہے۔ وہ خیال یہ ہے کہ پاکستان میں اصل استحصالی" شمال کی مذہبی شہری، فوجی نوکر شاہی، ہے اور یہ کہ بھٹو صرف نوکر شاہی کے آلۂ کار تھے جس نے اب انہیں بیکار سمجھ کر مسترد کر دیا ہے گزشتہ ۱۴ ماہ میں یہ نظریہ بلوچستان اور بھٹو کے آبائی صوبے سندھ میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

کمیونسٹوں اور تعصب پسندوں کے مشترکہ نعرے سے قطع نظر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ۲۸ سال قبل پہلے وزیر اعظم کے قتل کے بعد سے پاکستان کے معاملات میں فیصلہ کن حیثیت رکھنے والی پنجاب کی اشرافیہ غیر روادار، مغرور اور تنگ نظر رہی ہے۔ یہی وہ سبب تھا جس نے اس وقت کے پاکستان کے مشرقی بازو بنگال میں پیریٹی کے مطالبے اور مغربی پاکستان میں پنجاب، سندھ، بلوچستان، اور شمال مغربی صوبۂ سرحد کے علیحدہ علیحدہ قیام کے مطالبے کو ہوا دی۔ دونوں مطالبات کو تسلیم کرنا پڑا مگر تاخیر کے بعد۔

اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پنجاب نے بھٹو کے سندھی ہونے کے باوجود ان کے حق میں ووٹ دیا تھا تو ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے ٹوٹنے کی صورت اور بھی زیادہ خراب ہو سکتی تھی مگر اپنے آبائی صوبے میں سندھیوں کی معاشی شکایات

کو دور کرنے کی بھٹو کی کوششوں نے ہجرت کر کے آنے والے ہندوستانی مسلمانوں اور پنجابیوں کو ناراض کر دیا جو قیام پاکستان کے وقت سے سندھ میں معیشت، انتظامیہ اور عوامی زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ۷۷ء کی فوجی بغاوت جس نے بھٹو کو اقتدار سے ہٹا دیا کے بعد سے ان کئی نسلاً سندھیوں نے، جنہیں بھٹو اپنے دور اقتدار میں انتظامیہ اور چھوٹے کاروبار میں لائے تھے، یہ دیکھا کہ انہیں دھکا دے کر ہٹا دیا گیا ہے

بین الصوبائی کشیدگی کے علاوہ خطرات سے پُر مذہب کا مسئلہ بھی ہے۔ شیعہ فرقہ جو اکثریتی مسلم آبادی کا ۲۵-۳۰ فیصد ہے اپنے بچوں کو اپنی دینیات پڑھانے کے حق کے چھن جانے اور ان کے عقائد کے منافی قوانین کے نفاذ پر مشتعل ہے۔ ایران میں شیعوں کے عروج سے حوصلہ پاکر یہ اب اکثریتی سنّی فرقے کے مساوی برتاؤ کا مطالبہ کر رہا ہے حال تک اس مطالبے کو نظر انداز کیا جاتا رہا جبکہ ایرانی شیعہ رہنما آیت اللہ خمینی نے پاکستانی اخبار نویسوں سے اس توقع کا اظہار کیا کہ پاکستان میں تمام فرقوں سے مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔ اس کے بعد ضیاء نے شیعہ نمائندوں کے ایک وفد کو ملاقات کا موقع دیا اور ان سے کہا کہ وہ انہیں ان کے شخصی قوانین کی اجازت دیں گے اور عام قوانین میں ان کے نکتۂ نظر کو شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس بات نے ابھی تک شیعہ برادری کو مطمئن نہیں کیا ہے۔

مزید برآں یہ تنقید بڑھتی جارہی ہے اور ان میں روشن خیال سنّی علما بھی شامل ہو گئے ہیں کہ حال ہی میں جن اسلامی حدود کا نفاذ کیا گیا ہے۔ وہ صرف ایسے معاشرے میں نافذ کی جاسکتی ہیں جو معقول حد تک احتیاج اور ترغیبات سے پاک ہو۔ این ڈی پی نے اعلان کیا ہے کہ مذہب اور سیاست کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ تحریک استقلال نے اعلان کیا ہے کہ غربت زدہ عوام کو سزاؤں کی بجائے ان کے مصائب دور کرنے والے اقدامات کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ پیچیدگی پیدا کرنے والا ایک اور عنصر یہ ہے کہ حکومت کے ساتھ صرف سنیوں کے بنیاد پرست حلقے ہی وابستہ ہیں۔ یہ قوالی، اولیاء کے مزاروں کی زیارت اور دوسرے مقبول عام مذہبی طور طریقوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور سعودی عرب سے حوصلہ افزائی اور حمایت پاتے ہیں جو اپنے طرز کے بنیاد پرست اسلام کی تبلیغ کے لئے خطیر رقم خرچ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں مقبول علماء فرقہ وارانہ اختلافات پر زور دے رہے ہیں اور دعوٰی کر رہے ہیں کہ وہ اقلیت کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ دوسروں پر اپنا مذہب تھوپیے۔ انہیں ذاتی شکایت بھی ہے۔ بنیاد پرست مولوی انتظامیہ سے اپنے تعلق کی وجہ سے مسجدوں پر قبضہ کر رہے ہیں اور مقبول عام مولویوں کو نکال باہر کر رہے ہیں۔

گو کہ ضیاء خود ایک بنیاد پرست ہیں مگر ہوشیاری کے ساتھ ان دونوں کی درمیانی راہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ تمام سنّی مولویوں کو سدھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی مشترکہ طاقت کو اپنے اسلامی نظام کے پروگرام کو فروغ دینے اور بھٹو کو ختم کرنے کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دوسروں پر پابندی کو برقرار رکھتے ہوئے مولویوں کو اجازت دی ہے کہ عام جلسے کریں اور لاؤڈ اسپیکر استعمال کریں۔ انہوں نے مولویوں کو ریڈیو اور ٹیلیویژن پر آزادانہ دسترس کی اجازت دی ہے۔ ان اقدامات نے جہاں مولویوں کو بھٹو کے خلاف متحرک کیا ہے۔ وہاں انہوں نے سر ابھارنے والے مذہبی تنازعے کو نہیں روکا ہے۔

اگر تمام گروہی جھگڑوں اور بھٹو کے مسئلے کو الگ بھی کر دیا جائے۔ تب بھی ضیاء کسی طرح کی عوامی توثیق کے ساتھ استحکام کے لئے اندرونی اور بیرونی دباؤ کو زیادہ عرصے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ پہلے ہی اپنے منصوبے بنا رہے ہیں۔ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مغربی جمہوریت پاکستان کے لئے سازگار نہیں، جہاں جاہل عوام کو کوئی بھی جذباتی تقریریں کرنے والا بہا لے جاسکتا ہے، وہ فوج کو سیاست میں "شامل" کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

ماضی میں فوجی مداخلتوں کے ریکارڈ کا ذکر کرتے ہوئے "سیاستدانوں کے درمیان کشمکش کی وجہ سے" وہ جو تجویز پیش کرتے ہیں وہ فوجی بغاوت کو دستوری حیثیت دینے کے مترادف ہے، یہ کہے بغیر کہ آیا وہ چاہتے ہیں کہ سربراہ مملکت صرف فوج سے ہونا چاہیئے، وہ کہتے ہیں صدر کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ اسمبلیوں اور وزیر اعظم کو برطرف کر سکے، چند ماہ تک فوج کی مدد سے ملک کا نظم ونسق خود چلائے اور اس کے بعد انتخابات منعقد کرائے۔

گو کہ تینوں اقلیتی صوبوں کے بعض رہنما یہ دلیل دے رہے ہیں کہ بھٹو کا دیا ہوا دستور ایک مردہ حرف ہے اور اسی بناد پر صوبائی خودمختاری کی تعریف نئے سرے سے متعین ہونی چاہیئے۔ اکثر سیاسی رہنما اور خود ضیاء زور دیتے ہیں کہ یہ آئین اب بھی ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔ آئین کی موجودگی میں جس میں فوجی حکومت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فوجی حکومت کو سپریم کورٹ کے ایک فیصلے نے جائز قرار دیا تھا۔

عدالت نے اس صورتحال کے پیش نظر، جب اس نے مقننہ اور انتظامیہ دونوں کی ناکامی قرار دیا، فوجی بغاوت کو

مارُوائے۔ آئین ضرورت کے طور پر جائز قرار دیا تھا۔ بہرحال
اس نے تیسری ریاست عدلیہ کی ناکامی کا اعلان نہیں کیا۔
اس نے اعلان کیا تھا کہ فوجی حکومت جن قانون سازی کے
اور انتظامی اختیارات کا استعمال کرے گی عدالتیں ان کی
جانچ پڑتال کر سکتی ہیں۔
مگر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے جداگانہ انتخاب
کا طریقہ وضع کرنے کے لئے جتنا آئین میں پہلے ہی ترمیم کر چکی ہے
عدلیہ سے متعلق دفعات میں ردّ و بدل کر چکی ہے اور یہاں تک
قانونی طریقۂ کار کو تسلیم کرنے کی راہ اختیار کئے بغیر ملک کے
صدر اور وفاقی کابینہ کا تقرر کر چکی ہے۔

■

لَوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تو

بھٹو حکومت نے استحصالی شکنجہ توڑ دیا تھا

فار ایسٹرن
اکنامک ریویو
۳۰ مارچ ۱۹۷۹ء

پاکستان کے انسٹی ٹیوٹ آف ڈیویلپمنٹ اکنامکس نے فروری کے اواخر میں خبردار کیا ہے "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری تقدیر خنجر کی دھار پر تل رہی ہے۔ ہمارے پاس آزادی کے کئی مدارج نہیں ہیں کہ ہم غلطیاں کریں۔ نہ صرف یہ کہ ہماری موجودہ ناگوار اقتصادی صورتِ حال خطرناک ہے بلکہ غیر ممالک سے اندھا دھند قرضوں کے ذریعے آئندہ نسلوں کے امکانات کو شدید طور پر محدود کر دیا گیا ہے۔ ملک کے اقتصادی مستقبل کو اس کے ماضی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔"

انسٹی ٹیوٹ نے مزید خبردار کیا ہے کہ "موجودہ اقتصادی صورتِ حال سے بچ نکلنے کی تمام راہیں کئی رکاوٹوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ معیشت کے لئے زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ غربت اور کم آمدنیوں کے برے دائرے سے باہر نکل سکے جو بچت کی بہت کم اجازت دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں آمدنیوں کو نچلی سطح پر رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ یوں لگتا ہے کہ پالیسی بنانے والے لوگ اس دائرے کو توڑ کر باہر نکلنے کے ارادے سے محرومی کا شکار ہیں۔"

حکومت کا جواب، جس کی امریکہ نے بہ آوازِ بلند پذیرائی کی ہے، یہ ہے کہ مالیاتی گھڑی کی سوئیوں کو موثر طور پر الٹا گھمایا جائے۔ حال ہی میں امریکہ کی ایک سرکاری رپورٹ میں پاکستان میں بنیادی صنعتوں کو قومی تحویل سے نکالنے کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اقدام ایسی دوسری پالیسیوں کے ساتھ مل کر معیشت کو اس تیز رفتار ترقی کی طرف واپس لے جائے گا جو ۱۹۶۰ء کے دور میں موجود تھی۔

۱۹۶۰ء کے دور کو قوم کا سنہرا دور قرار دیتے ہوئے حکومت کے ماہرینِ معاشیات زور دے رہے ہیں کہ اس دور کی نمایاں خصوصیات کی نقل کی جائے۔ یعنی اگر سرکاری شعبے کے ادارے فائدہ بخش ہیں تو انہیں فروخت کر دیا جائے، مینجنگ ایجنسی سسٹم اختیار کیا جائے اور غیر ملکی زرِ مبادلہ کی دوہری شرحیں نافذ کی جائیں۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ان اقدامات کی سفارش صرف فوری اقتصادی ضرورت کی بنا پر ہی نہیں بلکہ اسلامی انصاف کے نام پر کی جا رہی ہے۔

بہرحال پرانی طرز کے نئے اقدامات پر یہاں بعض مبصّر اتنے خوش نہیں ہیں جتنا کہ امریکہ ہے۔ ۱۹۶۰ء کے دور میں سرکاری شعبے کی صنعتوں اور دوسرے اداروں سے سرمایہ نکالنے کا یہ مطلب ہوا کرتا تھا کہ حکومت خود اپنے سرمائے سے ادارے قائم کرے، انہیں اس وقت تک چلاتی رہے جب تک کہ وہ معقول منافع دینے لگیں۔ اور اس کے بعد انہیں ان نجی سرمایہ کاروں کے حوالے کرے جو شراکتی کاروبار میں ۱۲ فیصد جیسی کم رقم لگانے پر آمادہ ہوں۔ اس کے بعد سرمایہ کار حکومت کے بقیہ حصص خریدنے کے لئے کمپنی کے حساب کتاب میں گڑبڑ کرتا تھا۔

اس بار سرمایہ کاروں کی طرف سے جوابی ردِّ عمل کی عدم موجودگی کی وجہ سے حوصلہ ہار کر حکومت نے شراکتی کاروبار میں خریدار کے ابتدائی حصے کی رقم کو گھٹا کر ۵ فیصد کر دیا ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ چند ماہ پیشتر ایک صوبائی حکومت نے پیشکش کی کہ وہ اپنے شکر کے کارخانوں میں سے ۲ کارخانے جن میں سے ہر ایک کی مالیت ۲۰ کروڑ روپے ہے، انہیں شراکتی کاروبار میں ۵۰ ہزار روپے جتنی کم رقم لگانے والے کے حوالے کرنے پر آمادہ ہے۔

مینجنگ ایجنسی سسٹم ۱۹۶۰ء کے دور کا "ایلڈوراڈو" تھا جس کی دُم میں ڈنک بھی تھا۔ ایک ایسے ملک میں جو شدید ترین کمیابی کا شکار تھا، سرمایہ دار اپنی مصنوعات ان مینجنگ ایجنسیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے، جو علیحدہ کمپنیوں کے طور پر قائم کی جاتی تھیں۔ یہ ایجنسیاں تقسیم کاروں کے ہاتھ فروخت کرتی تھیں اور تقسیم کار

ان دوکانداروں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے، جن کا صارفین سے واسطہ رہتا ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ عمودی اور افقی دونوں طرح کی اجارہ داریاں قائم کرنا ہر بڑے کاروباری کا مقصد بن گیا تھا۔ اس وقت اس مقصد کے حصول کی دوڑ میں مینجنگ ایجنسیاں ایک اہم ذریعہ تھیں۔

۱۹۶۰ء کے دور کا غیر ملکی زرمبادلہ کی دوہری شرحوں کا نظام برآمد کنندگان کو اس کے کمائے ہوئے ہر ڈالر پر زیادہ روپے دیتا تھا اور مشینری فاضل پرزے اور خام مال کے درآمد کنندگان کو اجازت دیتا تھا کہ وہ مقامی ریزرو بنک سے خریدے جانے والے ہر ڈالر پر کم روپے ادا کریں۔ مگر چونکہ اکثر صورتوں میں برآمد کنندگان درآمد کنندگان بھی ہوتے تھے۔ اور کیونکہ تمام صنعتی ادارے حکومت کے حاصل کردہ بیرونی قرضوں سے قائم ہوتے تھے اور خواہش مند صنعت کاروں کو فراہم کئے جاتے تھے۔ اس لئے کئی لوگ غیر ملکی زرمبادلہ کی دوہری شرحوں میں گڑبڑ کر کے مضحکہ خیز حد تک کم مقدار میں لگائے ہوئے اپنے سرمائے سے بڑے بڑے نجی اثاثے بنا سکے۔

۱۹۶۰ء کے "سنہری" دور کی ان خصوصیات اور دوسری بہت سی باتوں کو پیپلز پارٹی نے ۱۹۷۱ء میں اقتدار میں آنے کے بعد ختم کر دیا تھا۔ اس نے بنیادی صنعتوں، بنکوں، زرعی پیداواری صنعت اور ملک کی دو سب سے بڑی اجناس کپاس اور چاول کی برآمد کو قومی ملکیت میں لے لیا۔ کاروباری لوگوں نے جوابی کارروائی کی جس کا بڑا حصہ یہ تھا کہ وہ اپنے اثاثوں سمیت ملک چھوڑ گئے اور کسی حد تک انہوں نے اپنی رقومات سٹہ بازی کی تجارت کی طرف منتقل کر دیں۔ ان اقدامات نے ایسے وقت ملکی

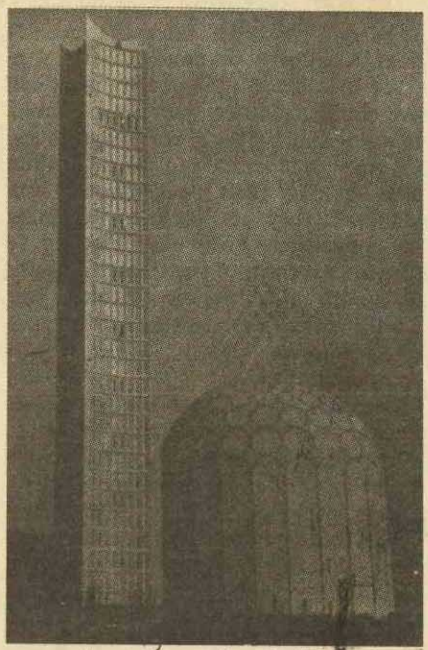

اسلام آباد کاری ایجرٹ، اصل کی طرف واپسی

معیشت میں تباہی پھیلائی جب کہ ساری دنیا "سٹیگفلیشن" (بیک وقت اشیا کی افراط اور اونچی قیمتوں) کا شکار تھی۔

جنتا کی موجودہ کوششیں سرمائے کو غیر ممالک سے واپسی کے لئے آمادہ کرنے پر مرکوز ہیں۔ وہ تجویز کی جانے والی ہر شرط ماننے کو تیار ہے مگر سرمایہ دار اب بھی جھجک رہے ہیں اور اس پیش کش کو سنجیدگی کے ساتھ لینے پر آمادہ نہیں ہیں کہ دستور میں ترمیم کر کے مستقبل میں قومی ملکیت میں لینے کے خلاف دفعات شامل کی جائیں گیں۔ وہ اپنی شرائط پیش کرنے سے قبل ہوشیاری کے ساتھ سیاسی استحکام کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس دوران مقامی معیشت جو کئی سال سے غیر ملکی امداد سے محروم ہے اور جسے ۱۹۷۷ء تک تعمیر ہونے والے ڈھانچے کے ٹوٹنے سے صدمہ پہنچا ہے اور کم صنعتی اور زرعی پیداوار، بچتوں میں کمی اور توازن ادائیگی میں بڑھتے ہوئے فرق سے متاثر ہے۔ اس کی حالت خراب ہے۔ ملک پر غیر ملکی قرضوں کا بھاری بوجھ ہے جو ۷ ارب امریکی ڈالر کے قریب ہے اس کے باوجود مقامی افسر شاہی نے ہمیشہ اپنی اس صلاحیت پر فخر کیا ہے کہ وہ مزید غیر ملکی قرضوں کا ڈھیر لگا سکتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصے سے یہ اطمینان بھی چھن گیا ہے۔ رواں مالی سال میں کم از کم ایک غیر ملکی بنک قرضے، جس کی مالیت تقریباً ۹ کروڑ امریکی ڈالر ہے، کی ضمانت ایک تارک وطن پاکستانی کاروباری ادارے نے دی ہے اس کے علاوہ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۸ء تک خسارے کی سرمایہ کاری ۶ ارب ۵۰ کروڑ کی حد کو چھو چکی ہے۔ اور قدامت پسندانہ اندازوں کے مطابق بھی مالی سال کے اختتام تک، ۳۰ جون تک، یہ ۸ ارب کی ریکارڈ سطح تک پہنچ جائے گی۔

حقیقی آمدنیوں میں، خاص طور پر نچلی سطح پر تخفیف سے پریشان ہو کر حکومت متوقع گندم کی بہترین فصل کی بنیاد پر مستقبل قریب کی خوشنما تصویر پیش کر رہی ہے اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسے توقع ہے کہ اسلامی ٹیکسوں کے ذریعے اس سال جولائی سے تقریباً ۳ ارب روپے اکٹھا کرے گی اور یہ ضمانت دینے کے قابل ہو جائے گی کہ کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا۔ مگر بچتوں اور زرعی پیداوار پر مجوزہ ٹیکس پہلے ہی شدید تنازعے کا مرکز بنے ہوتے ہیں اور بنکوں سے بچتوں کی رقم کے نکلنے کا سبب بنے ہوتے ہیں۔

اسی عرصے میں جنتا خود کو اس قابل نہیں پا رہی ہے کہ وہ قرضوں کے لوازمات کی تکمیل کر سکے۔ پاکستان

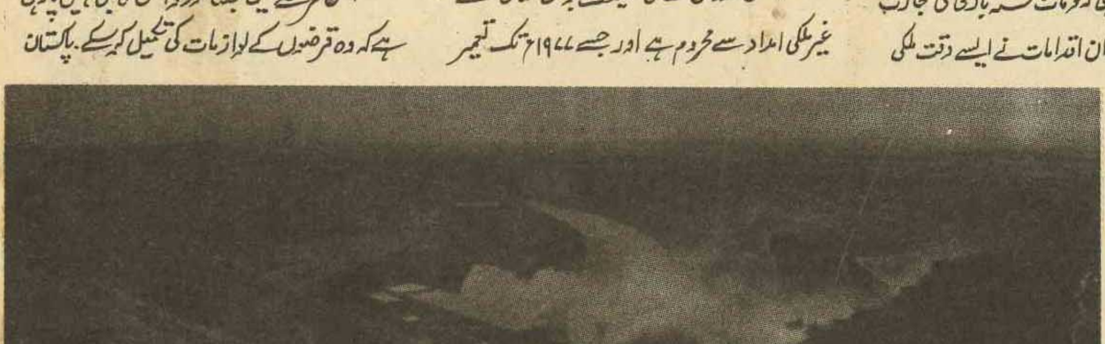

ہائیڈرو الیکٹرک پاور، خطرناک دائرہ سے نکلنے کی کوشش

کو قرض دینے والوں میں سے کسی بھی قرض دہندہ نے ابھی تک رواں سال میں قرضوں کی ادائیگی میں سہولت دینے کے بارے میں اس کی اپیل کا جواب نہیں دیا ہے۔ جون ۱۹۷۸ء میں قرضوں میں سہولت کی جو درخواست کی گئی تھی اس پر بڑے قرض دہندوں کے درمیان اس سال جنوری میں تبادلۂ خیال ہوا، کسی نے بھی وصولی کو ملتوی کرنے سے اتفاق نہیں کیا لیکن پاکستان نے ابھی تک کسی کو ادائیگی نہیں کی ہے۔

تنزل پذیر اقتصادی صورت حال کا ایک تجزیہ

برآمد ہوا ہے کہ پانچویں پانچسالہ منصوبے میں ۱۹ فیصد کی کمی کی تجویز ہے جو کل رقم کو گھٹا کر ایک کھرب ۸۸ ارب کر دے گی۔ کن صنعتی منصوبوں کو مسترد کر دیا جائے گا اس کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے لیکن مقامی منصوبہ بندی کے ادارے نے اس "بنیادی فروغ" کی حکمت عملی کو قبول کر لیا ہے جس کی سفارش عالمی بنک نے کی تھی اور یہ سابقہ حکومت کے بھاری صنعتوں کو فروغ دینے کے کسی حد تک جذباتی پروگرام کی قیمت پر ہے۔

اگر ماسکو کی طرف سے مخالفانہ ردِّ عمل نہ ہوتا تو منصوبہ بندی کا ادارہ سوویت امداد سے کراچی میں زیر تعمیر ۱۱ لاکھ ٹن سالانہ اسٹیل کی پیداواری صلاحیت کی اسٹیل مل پر کام معطل کرنے کی تجویز پیش کر چکا ہوتا۔ فوجی اہمیت کی حامل انڈس ہائی وے، جوہری ترقیاتی پروگرام، ٹرک بنانے کا ایک پلانٹ، ٹریکٹر بنانے کا ایک پلانٹ اور دوسرے منصوبے پہلے ہی ترک کئے جا چکے ہیں ✻

کویت کے ممتاز صنعتکار

السیّد حسین معرفی

کا انٹرویو

پاکستان میں اسلامی

قوانین کے نفاذ کی ابتدا

بھٹو نے کی تھی!

✻

بھٹو کی پھانسی سے پاکستان اور عالمِ اسلام کو بڑا نقصان پہنچے گا

ملاقات: نذیر ملک ✻ تصاویر: شاہ نواز

السید حسین، کویت کے معرفی خاندان کے سربراہ اور کویت کے ممتاز صنعت کار اور تاجر ہیں۔ السید حسین معرفی کا جو چھ صنعتی اداروں کے مالک بھی ہیں، شمار ان کویتیوں میں ہوتا ہے جو پاکستان اور پاکستانی عوام سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں، محبت کرتے ہیں اور ہمیشہ پاکستان کے مفاد کو اوّلیت دیتے ہیں۔

السید حسین، اردو زبان کے عالم بھی ہیں۔ انہوں نے کویت میں ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہندوستان میں ۹ سال تک تعلیم حاصل کی اور پھر جرمنی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

پاکستان سے محبت اور گہری دلچسپی رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان سے ملاقات کی۔ اور درج ذیل گفتگو کی۔

نذیر ملک: یا السید! جناب ذوالفقار علی بھٹو کی نظرثانی کی درخواست عدالتِ عظمیٰ نے مسترد کر دی ہے اس سلسلے میں کویتی عوام اور آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

السید حسین: کویتی عوام کو یہ خبر سن کر نہایت رنج ہوا کیونکہ میں اور کویتی عوام جناب بھٹو کو ایک عظیم انسان سیاستدان اور حکمران سمجھتے ہیں۔ وہ تیسری دنیا کے عظیم مدبر، عربوں اور خصوصاً فلسطینیوں کے سچے دوست اور ہمدرد ہیں، انہوں نے ہر آزمائش کے موقع پر ہمارا ساتھ دیا۔ اسلام کی سربلندی کے لئے انہوں نے سخت محنت کی، چند اسلامی قوانین پاکستان میں رائج کئے۔ وہ ابھی تک اسلامی کانفرنس کے چیئرمین ہیں اور ان کا چیئرمین ہونا ان کی اسلامی خدمات کا بین الاقوامی ثبوت ہے۔ کویت میں قانون پر بڑی سختی سے عمل درآمد کیا جاتا ہے لیکن اسلامی عدل کے مطابق عمل بھی کیا جاتا ہے۔ عادی جرائم

پیشہ افراد اور سیاستدانوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک عام آدمی پر بھی اتنی سختی نہیں کی جاتی، جو جناب بھٹو پر کی گئی ہے۔ حالانکہ جناب بھٹو وہ شخص ہیں جو الیکشن کے ذریعے دو مرتبہ برسرِ اقتدار آئے تھے۔ انہوں نے اقتدار کے لئے غلط ذرائع یا چور دروازے استعمال نہیں کئے تھے، وہ پاکستان کے مقبول ترین رہنما ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ انہیں سزائے موت دینے سے پاکستان اور عالمِ اسلام کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ انہیں پھانسی دینا کسی طور مناسب نہیں اس لئے کویتی عوام اور میرا خیال ہے کہ مسٹر بھٹو کی جاں بخشی کی جائے۔

نذیر ملک: ابھی حال ہی میں پاکستان میں جو اسلامی قوانین اور سزائیں نافذ کی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

السید حسین: اسلامی قوانین کویت میں عرصے سے رائج ہیں اور پاکستان میں بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کی ابتدا تو مسٹر بھٹو اپنے دورِ اقتدار میں ہی کر چکے تھے، لیکن وہ وسیع النظر تھے انہوں نے مسلم دنیا کے اتحاد کو سب سے زیادہ اولیت دی اسلامی سربراہی کانفرنس بلائی، اور پھر ختمِ نبوت کا مسئلہ نہایت خوش اسلوبی اور جمہوری طریقے سے حل کیا اور اپنے آخری دور میں بھی بعض اقدامات کئے۔ البتہ انہوں نے اسلامی سزاؤں کو نافذ نہیں کیا۔ پاکستان میں حال ہی میں نافذ کئے جانے والے مزید اسلامی قوانین کی خبر پڑھ کر ہمیں خوشی ہوئی لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پاکستان میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے کوڑے لگانے کو اتنا اہم کیوں سمجھا جا رہا ہے جب کہ اسلامی قوانین کی دیگر دفعات خصوصاً اقتصادی اسلامی قوانین پر عمل درآمد کرانے کے لئے اتنی سختی نہیں کی جا رہی ہے کویت میں اسلامی قوانین نافذ ہیں لیکن ہم اتنی سختی نہیں کرتے اور اس کے باوجود یہاں پر جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں جس کی وجہ معاشی خوشحالی ہے۔ چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف ہاتھ کاٹنے اور کوڑے لگانے سے جرائم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا ہے پہلے غربت، ظلم، جہالت کا خاتمہ کرنا ضروری ہے۔

نذیر ملک: پاکستان اور کویت میں مقیم پاکستانیوں کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟

السید حسین: پاکستان اور کویت کے تعلقات ہمیشہ پُرخلوص اور برادرانہ رہے ہیں خصوصاً جناب بھٹو نے مسلم دنیا اور عرب کاز کے لئے جو کچھ کیا، اسے ہم ہمیشہ عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے۔ جہاں تک کویت میں مقیم پاکستانیوں کا تعلق ہے، انہوں نے کویت کی ترقی اور تعمیر کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ پاکستانی قوم بہت محنتی اور مخلص ہے۔ ویسے اچھے برے ہر قوم میں ہوتے ہیں اور چند برے لوگوں کی وجہ سے پوری قوم کو برا نہیں کہا جا سکتا۔

نذیر ملک: کیا آپ کویت اور پاکستان کے تجارتی تعلقات پر روشنی ڈالنا پسند کریں گے؟

السید حسین: مسٹر ملک! حکومت پاکستان نے برآمد کے سلسلے میں بہت زیادہ قوانین بنا رکھے ہیں۔ جو بہت سخت ہیں، اور اس پر تکلیف دہ امر یہ ہے کہ دفتری اور کاغذی کارروائی بہت لمبی چوڑی ہوتی ہے۔ سرکاری دفاتر کے حکام بہت لاپرواہ اور سست ہیں جس سے تجارت متاثر ہوتی ہے۔ حالانکہ پاکستان میں تاجر بہت ہیں، اور کویت پاکستانی مال کے لئے بہت بڑی منڈی بھی ہے لیکن مذکورہ بالا قوانین، پابندیوں اور دیگر نامعلوم وجوہ کی بنا پر پاکستان سے بہت کم مال کویت آتا ہے۔ حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ وہ برآمدی قوانین میں نرمی کرے اور کویت کی مارکیٹ کا صحیح طریقے سے سروے کرے۔

نذیر ملک: ایران کی موجودہ صورتِ حال کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

السید حسین: ایران میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، ان کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ ایران کا اپنا داخلی معاملہ ہے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ گلف کی ریاستیں، ایران کی صورتِ حال کا بغور جائزہ لے رہی ہیں کیونکہ ان ریاستوں پر ایرانی حالات کے اثرات پڑنا ناگزیر ہیں۔

نذیر ملک: السید! ہمیں اس امر پر مسرت ہے کہ کویت کے ممتاز صنعت کار اور تاجر ہونے کے باوجود آپ پاکستان اور مسٹر بھٹو کے بارے میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے مصروفیات کے باوجود ہمیں ملاقات کا وقت دیا جس کے لئے ہم آپ کے بہت مشکور ہیں۔

السید حسین: ہم مسلمان ہیں اور پاکستان نے مسٹر بھٹو کی قیادت میں عالمِ اسلام کے لئے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس لئے پاکستان سے محبت کرنا اور اس سے دلچسپی رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اور ذاتی طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جناب بھٹو کے لئے وقت تو کیا ہماری جان بھی حاضر ہے۔ ●●

ایم-ایل شاہانی

حفیظ پیرزادہ

۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء کو سندھ ہائی کورٹ کی ایک فل بنچ نے معزول وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حبس بے جا کی درخواست مسترد کر دی۔ یہ درخواست جناب بھٹو کی جانب سے ان کے وکیل مسٹر ایم ایل شاہانی نے داخل کی تھی۔ اور اس کی پیروی مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے کی تھی اور مسٹر ایم ایل شاہانی نے ان کی معاونت کی تھی۔ فل بنچ مسٹر جسٹس آغا علی حیدر، مسٹر جسٹس آئی محمود، مسٹر جسٹس فخرالدین جی ابراہیم اور مسٹر جسٹس ظفر حسین مرزا پر مشتمل تھا۔ ذیل میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کی درخواست اور سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کے متن شائع کئے جا رہے ہیں۔!

بھٹو کی حبس بے جا کی درخواست

بعدالت ہائی کورٹ آف سندھ، کراچی

کانسٹی ٹیوشنل پٹیشن .../ ۷۹

ذوالفقار علی بھٹو ولد سر شاہنواز بھٹو مرحوم
مسلم، بالغ، ساکن، ۷۰ کلفٹن کراچی
فی الحال۔ موت کی کوٹھڑی، ڈسٹرکٹ جیل۔
راولپنڈی ..... پٹیشنر

بنام

۱: وفاق پاکستان، بتوسط سیکریٹری وزارت داخلہ،
حکومت پاکستان اسلام آباد
۲: حکومت پنجاب، بتوسط سیکریٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ لاہور۔
۳: چیف آف آرمی اسٹاف و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ہیڈ کوارٹرز۔ اسلام آباد
۴: مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔ زون "سی" کراچی
۵: سپرنٹنڈنٹ جیل۔ راولپنڈی — مدعا علیہان

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۱۹۹ کی ذیلی دفعات (۱) (b) (i) کے ماتحت پٹیشن

منکسرانہ معروض ہے کہ:

(۱) کہ پٹیشنر جو پاکستان کا واحد منتخب صدر اور وزیر اعظم اور پاکستان پیپلز پارٹی کا تاحیات چیئرمین ہے۔ فی الوقت ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کی موت کوٹھڑی میں محصور ہے اور کسی بھی دن پھانسی کے ذریعے ہلاک کئے جانے کا منتظر ہے۔

(۲) کہ پٹیشنر کو مدعا علیہان ۱ تا ۴ کی ایجنسیوں نے ۳-۹-۱۹۷۷ء کو علی الصبح اس کی رہائش گاہ، ۷۰ کلفٹن کراچی سے جو اس معزز عدالت کے حدود اختیار کے اندر واقع ہے، محمد احمد خان کے قتل کے ارتکاب اور ترغیب کے مبینہ الزام کے تحت گرفتار کیا تھا۔

(۳) کہ مذکورہ مقدمے میں معزز ہائی کورٹ کے جج جسٹس کے ایم اے صمدانی نے پٹیشنر کو ۱۳-۹-۱۹۷۷ء کو ضمانت پر رہا کیا تھا۔

(۴) کہ اس کے بعد ایک بار پھر مدعا علیہان ۱، ۳، اور ۴ کی ایجنسیوں نے مدعا علیہ ۳ کے ایم ایل او ۱۲ کے تحت جاری کردہ ایک مبینہ حکم کے تحت پٹیشنر کو ۱۷-۹-۱۹۷۷ء کو علی الصبح اس کی رہائش گاہ، "المرتضیٰ" لاڑکانہ سے، جو اس معزز عدالت کے حدود اختیار میں واقع ہے، گرفتار کر لیا تھا۔

(۵) کہ ایک دن سنٹرل جیل سکھر میں رکھنے کے بعد پٹیشنر کو ۱۷-۹-۱۹۷۷ء اور ۱۸-۹-۱۹۷۷ء کی درمیانی شب کے دوران بذریعہ کار سکھر سے کراچی لایا گیا اور اس کے بعد مدعا علیہ نمبر ۳ کے جاری کردہ حکم نظر بندی کی تعمیل میں ۱۸-۹-۱۹۷۷ء کی علی الصبح سے سنٹرل جیل کراچی میں نظر بند رکھا گیا۔

(۶) کہ ۲۲-۹-۱۹۷۷ء کو مدعا علیہ نمبر ۳ سی ایم ایل اے کا حکم نمبر ۶ یعنی تسلسل قوانین جاریہ (پانچویں ترمیم) کا حکم جاری کیا جس کے ذریعے یہ گنجائش پیدا کی گئی کہ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کو اس طرح پڑھا جائے کہ جیسے اس کے آرٹیکل ۱۷۹، ۱۹۵، ۱۹۹ میں کسی آئینی ترمیمی ایکٹ کے ذریعے ترمیم نہ کی گئی ہو۔

(۷) کہ مذکورہ بالا قانون کے پیش نظر ہائی کورٹ آف لاہور کی وہ حیثیت ختم ہو گئی کہ وہ آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۱۹۲ (۱) کی لازمی شرائط کے تحت تشکیل شدہ ہو۔

(۸) کہ ۲۳-۹-۱۹۷۷ء کو پٹیشنر کو کسی قانونی اختیار کے بغیر اس معزز عدالت کی حدود اختیار سے باہر لے جایا گیا اور کوٹ لکھپت جیل لاہور میں رکھا گیا۔

(۹) کہ اس کے بعد محمد احمد خان کے قتل کی سازش اور ترغیب کے الزام میں پٹیشنر پر مقدمہ چلایا گیا اور مبینہ طور پر ۱۸-۳-۱۹۷۸ء کو اسے سزائے موت سنادی گئی۔ اسی دوران

اس کی ۱۳-۹-۷۷ ۱۹ء کو منظور شدہ ضمانت مبینہ طور پر
۸-۱۰-۷۷ ۱۹ء کو منسوخ کر دی گئی۔

(۱۰) کہ پٹیشنر عاجزی کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا مجرم قرار دینا، سزا دینا اور ضمانت کی منسوخی قانون کی نگاہ میں بے حقیقت ہیں کیونکہ ایک ایسے ادارے نے جو کورم نان جوڈس (قانوناً نقص کورم کا شکار) تھا یہ اقدامات کئے اور یہ احکام جاری کئے تھے۔ اس لئے پٹیشنر جسے ۱۳-۹-۷۷ ۱۹ء کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا تھا وہ اس بات کا حق دار ہے کہ اسے بلا تاخیر رہا کیا جائے اور کسی قانونی اختیار کے بغیر اور غیر قانونی طور پر قید اور موت کی کوٹھری میں محبوس رکھا جا رہا ہے۔

(۱۱) کہ مذکورہ بالا سے قطع نظر اور متبادل کے طور پر پٹیشنر عرض کرتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے سی ایم ایل اے کا حکم نمبر ۱ یعنی تسلسل قوانین جاریہ (پانچویں ترمیم) کا حکم مجریہ ۷۷ ۱۹ء موثر قانون سازی کا ایک حصہ ہے تو سپریم کورٹ آف پاکستان کی آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۱۷۶ کی شرائط کے مطابق تشکیل شدہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے ایسی صورتحال میں سپریم کورٹ آف پاکستان میں پٹیشنر کی دائر کردہ اپیل، جو کرمنل اپیل نمبر ۱۱ بابتہ سنہ ۱۹۷۸ء ہے، ابھی تک فیصلہ طلب ہے اور پٹیشنر کو دی جانے والی سزا کی قانون کی اقتضا کے مطابق توثیق نہیں ہوئی ہے نتیجۃً پٹیشنر کا موت کی کوٹھری میں محبوس کیا جانا کسی قانونی اختیار کے بغیر اور غیر قانونی انداز میں ہے۔

(۱۲) کہ پٹیشنر کے پاس اس پٹیشن کے دائر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس نے اس موضوع پر اس معزز عدالت میں کوئی اور پٹیشن داخل نہیں کی ہے۔

اس لئے پٹیشنر استدعا کرتا ہے کہ یہ معزز عدالت از راہِ کرم ہدایت کرے کہ پٹیشنر کو اس کے اس کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ یہ معزز عدالت اپنا اطمینان کر سکے کہ پٹیشنر کو بغیر کسی قانونی اختیار اور غیر قانونی انداز میں تحویل میں نہیں رکھا جا رہا ہے۔

منسلکہ حلف نامے میں ظاہر کردہ وجوہ کی بنا پر اس پٹیشن پر پٹیشنر کے وکیل کے دستخط کئے جا رہے ہیں اور بہر صورت یہ پٹیشن صرف اطلاع ہے جو داخل کی جا رہی ہے اور اس لئے ہائی کورٹ رولز کے تکنیکی تقاضوں سے مستثنیٰ ہے۔

کراچی
۲۷ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء

ایڈوکیٹ برائے پٹیشنر۔

بعدالت ہائی کورٹ آف سندھ۔ کراچی

کانسٹی ٹیوشن پٹیشن نمبر بابتہ سنہ ۱۹۷۹ء
ذوالفقار علی بھٹو ——— پٹیشنر
بنام
وفاق پاکستان وغیرہ ——— مدعا علیہان

حلف نامہ

میں ایم ایل شاہانی ولد اے این شاہانی، عیسائی، بالغ اس معزز عدالت کا ایڈوکیٹ، ساکن کراچی، حلفیہ اقرار کرتا اور حسب ذیل بیان دیتا ہوں۔

(۱) کہ مجھے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ پٹیشنر کی جانب سے حبس بیجا کی نوعیت کی ایک پٹیشن دائر کروں اور اس معزز عدالت کے سامنے پیش کروں۔

(۲) میں وکالت نامے پر پٹیشنر کے دستخط حاصل کرنے کے لئے راولپنڈی گیا اور اس غرض سے میں نے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کے حکام سے ۲۴-۳-۷۹ ۱۹ء کو تقریباً سوا دو بجے دن درخواست کی۔ مجھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل راولپنڈی سے ہدایت ملی کہ وکالت نامے پر دستخط حاصل کرنے کی غرض سے جیل آؤں۔ اس کی تعمیل میں میں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی گیا اور پٹیشنر کے دستخط اور حکام کے توثیقی دستخطوں کے لئے دستاویزات جیل حکام کے حوالے کیں۔ میں نے دروازے پر شام ۶ بجے تک یعنی ۲.۱۵ سے ۶ بجے تک انتظار کیا اور اس کے بعد جیل کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے کہا کہ وکالت نامہ بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا جائے گا۔ اس کے باوجود ۲۵-۳-۷۹ ۱۹ء کو جبکہ میں راولپنڈی میں تھا۔ میں نے جان توڑ کوشش کی کہ جیل حکام کو پکڑوں تاکہ وکالت نامہ ذاتی طور پر ساتھ لیتا آؤں۔ لیکن ناکام رہا۔

(۳) کہ وکالت نامے تیسرے روز مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کے توسط سے بھیجے گئے جس کے نتیجے میں اس پٹیشن کے دائر کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ پٹیشنر کی ہدایات کے تحت پٹیشن تحریر کی گئی ہے۔

پیرا ۱ تا ۳ میرے علم و یقین اور موصولہ ہدایت کے مطابق بالکل درست ہیں۔

۲۷ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء

تحریری شاہد

سندھ ہائی کورٹ کا فیصلہ

بعدالت ہائی کورٹ آف سندھ ۔ کراچی

کانسٹی ٹیوشن پٹیشن نمبر ۵۳۲ ۔ ڈی و ۵۴۴ ۔ ڈی بابت ۱۹۷۹ء

مکمل بینچ کو سپرد کردہ : مسٹر جسٹس آئی محمود
مسٹر جسٹس فخر الدین جی ابراہیم
مسٹر جسٹس ظفر حسین مرزا

فیصلہ

تاریخ سماعت ۔ ۲۸-۳-۱۹۷۹ء

پٹیشنرز : مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مس بے نظیر بھٹو، بتوسط مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ ایڈوکیٹ و مسٹر ایم ۔ ایل ۔ شاہانی ایڈوکیٹ۔

مدعا علیہاں : وفاق پاکستان وغیرہ۔

یہ حبس بیجا کی نوعیت کی دو پٹیشنیں ہیں جن میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو رہا کرنے کی درخواست کی گئی ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں فی الوقت غیر قانونی طور پر سنٹرل جیل راولپنڈی میں زیر حراست رکھا گیا ہے۔ یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ مذکورہ زیر حراست فرد کی موجودہ حراست لاہور ہائی کورٹ کی مکمل بینچ کے ایک فیصلے کے نتیجے میں ہے جس میں انہیں سزائے موت دی گئی ہے جس سزا کو سپریم کورٹ نے ۴-۳ کی اکثریت سے بحال رکھا ہے۔

۲: ان پٹیشنوں کی حمایت میں موقف یہ ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر لاہور ہائی کورٹ ۔ کورم نان جوڈس ۔ تھا اور یہی صورت حال سپریم کورٹ آف پاکستان کے معاملے میں بھی تھی ۔ خاص طور پر یہ استدلال کیا گیا تھا، اس مفروضے کے تحت کہ سی ایم ایل ۔ اے کا حکم نمبر ۶/۷۷، موثر تھا ۔ اس سے آئین کے اصل آرٹیکل ۱۹۵ کا احیا ہو گیا اور اس بنا پر مسٹر جسٹس سردار محمد اقبال، جو اس وقت لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے، اب بھی چیف جسٹس تھے اور اس کے بعد ان کے جانشینوں، بشمول موجودہ چیف جسٹس مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین، کا اس عہدے پر فائز ہونا قانون کے مطابق نہیں تھا اس لئے لاہور ہائی کورٹ ۔ کورم نان جوڈس ۔ ہو گیا۔

۳: جہاں تک سپریم کورٹ کا تعلق ہے، موقف یہ تھا کہ سی ایم ایل اے کا حکم ۶/۷۷ اس حد تک غیر موثر تھا کہ اس نے اس ترمیم کو جو آئین (چھٹی ترمیم) ایکٹ ۱۹۷۶ء کے ذریعے آرٹیکل ۱۷۵ میں کی گئی تھی ختم کر دیا۔ اور اس لئے مسٹر جسٹس یعقوب علی خاں کی چیف جسٹس آف پاکستان کی حیثیت ختم نہیں ہوئی اور یہ کہ وہ اب بھی اس عہدے پر فائز ہیں۔ اس بنا پر یہ استدلال کیا گیا کہ موجودہ چیف جسٹس اس عدالت کے چیف جسٹس نہیں ہیں جس سے سپریم کورٹ ۔ کورم نان جوڈس بن گیا ہے۔

۴: ہم نے فاضل وکیل مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ سے ان پٹیشنوں پر غور کرنے کے لئے اپنے دائرہ اختیار کے بارے میں استفسار کیا کیونکہ مسلمہ امر ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اس وقت راولپنڈی میں زیر حراست ہیں جو نہ صرف اس عدالت کی حدود اختیار سے باہر ہے بلکہ ان حکام کے احکام کے نتیجے میں ہے جو اس عدالت کی حدود اختیار کے اندر فرائض ادا نہیں کر رہے ہیں۔ مسٹر پیرزادہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ نظر بند کو ۲۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کو غیر قانونی طور پر اس عدالت کی حدود اختیار سے باہر لے جایا گیا اور لاہور پہنچایا گیا تھا۔ ہماری طرف سے مزید استفسار پر فاضل وکیل نے بیان کیا کہ نظر بند کو ایم ایل او ۱۲ کے تحت نظر بند کیا گیا تھا جب کہ انہیں لاہور لے جایا گیا تھا اور یہ کہ نظر بندی غیر قانونی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس بارے میں پٹیشن میں وثوق موجود ہے کہ نظر بند کو لاہور لے جاتے جانے سے پہلے کراچی میں غیر قانونی طور پر نظر بند کیا گیا تھا لیکن یہ بات نمایاں ہے کہ کوئی تفصیلات نہیں دی گئی ہیں یہاں تک کہ پٹیشنیں یہ تک نہیں کہتیں کہ انہیں ایم ایل او ۱۲ کے تحت نظر بند کیا گیا تھا نیز یہ کہ اس مبہم بیان کہ نظر بندی غیر قانونی تھی کی حمایت میں کچھ نہیں ہے نظر بندی کے حکم کی ایک نقل بھی داخل نہیں کی گئی ہے۔ عدالت کے سامنے یہ دلیل دی گئی کہ مذکورہ نظر بندی کا حکم غیر قانونی تھا کیونکہ ایم ایل او ۱۲ غیر موثر ہے۔ یہ دلیل وکیل کو حاصل نہیں ہے کیونکہ جہاں تک ممتاز علی بھٹو و عبدالحفیظ پیرزادہ بنام ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر وغیرہ مقدمے میں اس ہائی کورٹ کے اکثریتی فیصلے کا تعلق ہے (سی پی نمبر ۱۲۰۳/۱۹۷۸ء) اس عدالت کی ایک مکمل بینچ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایم ایل او ۱۲ موثر قانون ہے۔ فاضل وکیل نے مقدمہ چوہدری منظور الٰہی بنام وفاق پاکستان (پی ایل ڈی ۱۹۷۵ء ۔ ایس سی ۶۶) پر انحصار کیا ہے۔ لیکن اس مقدمے پر انحصار کا تصور غلط ہے کیونکہ دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ اس عدالت کا اختیار صرف اس صورت میں بروئے کار آئے گا جب یہ ظاہر کیا جائے کہ نظر بند کی کراچی میں گرفتاری غیر قانونی تھی۔ نیز یہ کہ موجودہ مقدمے میں ایم ایل او ۱۲ کے تحت گرفتاری کی مبینہ غیر قانونی نوعیت صرف علمی دلچسپی کی حامل ہے کیونکہ قانون کے تقاضے کے تحت وہ حکم ۳۱-۳-۱۹۷۸ء کو ختم ہو گیا بلکہ اس کے بعد سے مسٹر زیڈ اے بھٹو کی حراست ایک آزاد اور غیر متعلقہ کارروائی کے نتیجے میں ہے جو اس عدالت کی حدود اختیار سے باہر کی گئی ہے۔

۵: نیز ہم اس رائے کے حامل ہیں کہ عملاً یہ پٹیشنیں ان فیصلوں کے خلاف ہیں جو دو اعلیٰ عدالتوں نے دیئے ہیں اور اس لئے ہماری طرف سے کسی قسم کی مداخلت عملاً مذکورہ عدالت کے خلاف اجرائے پروانہ کے مترادف ہے جسے آئین کے آرٹیکل ۱۹۹ کے سب آرٹیکل (۵) کے تحت منظور نہیں کیا جا سکتا جو یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ کسی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے خلاف کوئی پروانہ جاری نہیں کیا جا سکتا۔

۶: مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر ہم ان پٹیشنوں میں کوئی زور نہیں پاتے۔ اسی بنا پر انہیں "ان لی مینی" خارج کیا جاتا ہے۔

۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء

شرح دستخط ۔ آئی محمود ۔ جج
شرح دستخط ۔ فخر الدین جی ابراہیم ۔ جج
شرح دستخط ۔ ظفر حسین مرزا ۔ جج

عدنان مندریس اور بھٹو میں مماثلت

وہاب صدّیقی

حالات اور واقعات ایک سے ہیں

سپریم کورٹ آف پاکستان سے فیصلے پر نظرثانی کی درخواست مسترد ہو چکی سندھ ہائی کورٹ سے بھی بھٹو کی حبسِ بیجا کی دو درخواستیں مسترد ہو گئیں. عدالتی مرحلہ ختم ہو گیا. بقول مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ "بھٹو کی جان بچانے کے لئے عدلیہ کے محاذ پر جو جنگ لڑی جا رہی تھی وہ ختم ہو چکی ہے"۔ قانونی جنگ کا آغاز ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء (اس تاریخ کو مسٹر بھٹو کو ان کی رہائش گاہ ۷۰ کلفٹن کراچی سے گرفتار کیا گیا تھا) کو ہوا تھا۔ اور اختتام ۲۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو ہوا۔ اب گیند جنرل ضیاالحق کے کورٹ میں ہے اور انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ رحم کیا جائے یا نہیں' اگرچہ مسٹر بھٹو اور ان کے خاندان کے کسی فرد نے رحم کی اپیل نہیں کی ہے لیکن فوجی حکومت کو رحم کی متعدد اپیلیں مل چکی ہیں. جن میں سابق صدرِ مملکت فضل الٰہی چوہدری اور سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان

کی اپیلیں بہت اہم ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جب آپ یہ سطور پڑھ رہے ہوں، مسٹر بھٹو کی جاں بخشی کی اپیلوں پر جنرل ضیاء فیصلہ دے بھی چکے ہوں۔ کیونکہ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ۳۱ مارچ کو ملٹری کونسل اور یکم اپریل کو مارشل لاء کی کابینہ ان اپیلوں پر غور کرے گی اب دیکھنا یہ ہے کہ جنرل ضیاء مسٹر بھٹو کو پاکستان کا "عدنان میندریس" بنانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یا ترکی کے سیاسی عدم استحکام اور ایک سال میں تقریباً ایک ہزار سیاسی قتل سے درس حاصل کرتے ہیں۔

ماضی قریب کی تاریخ میں عدنان میندریس ہی ایسے وزیر اعظم تھے جن کی حکومت کا ترک افواج نے تختہ الٹ کر انہیں تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ اور یہ بھی تاریخ کا عجیب حادثہ ہے کہ جب ترکی کے معزول وزیر اعظم عدنان میندریس کو سزائے موت سنائی گئی تو اس وقت کے پاکستان کے صدر ایوب خان نے رحم کی اپیل کے لئے اپنا ایک خصوصی مندوب انقرہ بھیجا تھا یہ خصوصی مندوب ۳۴ سالہ ذوالفقار علی بھٹو تھے مسٹر بھٹو نے ترکی کے فوجی حکمران جنرل گرسل کو پھانسی سے مرتب ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا، لیکن جنرل گرسل نے کہا "ترکی کے مسائل عدنان میندریس کو پھانسی دینے سے ہی ختم ہوں گے۔" اس پر مسٹر بھٹو نے خود اعتمادی سے جواب دیا "جناب صدر! ترکی کے لئے مسائل تو پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کے بعد شروع ہوں گے۔" مسٹر بھٹو کے خدشات بالکل درست ثابت ہوئے۔ عدنان میندریس کو پھانسی دینے سے ترکی کو سیاسی طور پر جو دھچکا پہنچا، اس کے اثرات ابھی تک دور نہیں ہو سکے۔ ترکی عدم استحکام کا شکار ہے اس وقت بھی اس کے تیرہ صوبوں میں مارشل لاء لگا ہوا ہے۔ اور گذشتہ سال تقریباً ایک ہزار سیاسی قتل ہوئے۔ چنانچہ انہی حقائق کے پیش نظر مارچ ۱۹۷۸ء میں ترکی کے صدر نے اپنی اپیل میں جنرل ضیاء الحق کو ایسی غلطی کرنے سے خبردار کیا تھا۔ اور اپیل میں کہا گیا تھا کہ "وہ ایک فوجی جنرل کی حیثیت سے یہ درخواست کر رہے ہیں۔" یہی وجہ ہے کہ بعض مغربی اخبارات نے سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد مسٹر بھٹو اور عدنان میندریس مرحوم کا موازنہ کیا۔ مغربی جرمنی کے ایک اخبار نے لکھا "اگر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کے تختے پر جان دینی پڑی تو بھی انہیں پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ اہم سیاسی مدبر کی حیثیت سے یاد کیا جاتا رہے گا، جس طرح عدنان میندریس کی موت پر ترکی میں سیاسی دشمنیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کی موت بھی پاکستان کی سیاست کے لئے ایک رستا ہوا زخم ثابت ہو گی۔ پاکستان کے حکمران غالباً معافی کے لفظ سے نا آشنا ہیں لیکن اگر انہوں نے سزائے موت کے فیصلے پر عمل ہونے دیا تو وہ پوری مہذب دنیا کی ملامت کا نشانہ بنیں گے۔"

عدنان میندریس مرحوم اور جناب ذوالفقار علی بھٹو میں صرف یہی قدر مشترک نہیں کہ عدنان کو فوجی حکومت نے دار پر لٹکایا اور جناب بھٹو کو بھی سزائے موت سنائی جا چکی ہے بلکہ متعدد امور میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

عدنان میندریس کا تعلق سمرنا کے ایک جاگیردار گھرانے سے تھا، انہوں نے قانون کی ڈگری انقرہ یونیورسٹی سے لی تھی، مسٹر بھٹو ایک جاگیردار خاندان (لاڑکانہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے قانون کی ڈگری آکسفورڈ سے لی۔

میندریس اس وقت ترک عوام کے دلوں کی دھڑکن اور عوام کے ہیرو بن گئے۔ جب ۱۹۴۷ء میں انہوں نے قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے اسمبلی میں ایک معرکۃ الآرا تقریر کی، انہوں نے حکومت کی اقتصادی پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کی، غریب عوام، مزدوروں اور کسانوں کی حالت زار پر روشنی ڈالی اور کہا کہ "بھوک اور ننگ ترک قوم کا مقدر نہیں، حکومت کی ناقص اقتصادی پالیسی نے عوام کو غربت کی گہری خندق میں دھکیل دیا ہے۔" اخبارات نے اس تقریر کی بہت تعریف کی۔ مسٹر بھٹو بھی اس وقت پاکستانی عوام کے مقبول ترین رہنما بنے جب انہوں نے ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اقوام متحدہ میں خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا "پاکستان ایک ہزار سال تک لڑتا رہے گا۔" انہوں نے اس عالمی ادارے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا یہ قانون قدرت ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے لوگ بھوکے، پسماندہ اور مفلوک الحال رہیں کیا یہ ہمارے لئے مقدر بن چکا ہے کہ ہم ہمیشہ بدحال اور پسماندہ رہیں، ہرگز نہیں، ہم پسماندگی اور افلاس کی ان دیواروں کو توڑنا چاہتے ہیں، ہم اپنے عوام کے لئے ایک بہتر مستقبل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں خوشحالی، اطمینان اور عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ افریقہ اور ایشیا کے لیڈر آج اسی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ وہ پسماندگی اور افلاس کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں مفید اور تعمیری کاموں میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔" بین الاقوامی پریس نے مسٹر بھٹو کی اس تقریر کو بہت سراہا اور ایک امریکی نامہ نگار نے لکھا کہ "اقوام متحدہ میں اس سے قبل اتنی دل پذیر تقریر کبھی سننے میں نہیں آئی۔" مسٹر بھٹو کے اس خطاب میں سامراج دشمنی، قوم پرستی اور عوام دوستی کے عکس ملتے تھے۔ اور اس نے پاکستان کے عوام خصوصاً محنت کش طبقات کے ذہنوں پر گہرے نقوش مرتب کئے۔ اور وہ مسٹر بھٹو کے گرد جمع ہو گئے۔ اس طرح مسٹر بھٹو عوام کے ہیرو بن گئے۔

ترکی میں "ون پارٹی" گورنمنٹ سسٹم تھا۔ عدنان میندریس ۱۶ سال تک حکومت سے وابستہ رہے۔ اور حکمران جماعت ری پبلکن پارٹی کے سرکردہ رکن رہے۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے ڈیموکریٹک پارٹی بنائی۔ اور اس پارٹی کے قیام سے ترکی میں دو جماعتی نظام کی ابتدا ہوئی۔ مسٹر میندریس نے نہایت جوش و خروش سے عوامی رابطے کی مہم شروع کی اور انہوں نے ترکی کے چپہ چپہ کا دورہ کیا۔ بہت جلد ہی ان کی پارٹی ترکی کی مقبول ترین جماعت بن گئی اور اس نے ۱۹۵۰ء کے الیکشن میں بھاری اکثریت حاصل کی۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۰ء کو عدنان میندریس نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ انہوں نے وزیر اعظم کی حیثیت سے پہلی مرتبہ قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے متعدد اصلاحات کا اعلان کیا۔ مزدوروں کو حق ہڑتال دیا۔ سرکاری اخراجات میں کمی کرنے کا یقین دلایا۔ غیر ممالک کو سرمایہ کاری کی ترغیب دی۔

عدنان کے دور حکومت میں زرعی، معدنی اور صنعتی پیداوار بڑھانے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے گئے۔ نئی شاہراہیں تعمیر کی گئیں۔ مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کیا گیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ میندریس نے جدید ترکی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آزادی اظہار اور آزادی صحافت کا حق دیا۔ میندریس اگرچہ آزاد خیال اور سیکولرازم کے حامی تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اسلام کی مثالی خدمت کی۔ انہوں نے دینی سرگرمیوں کی آزادی دی، دینی کتب پر سے پابندی ختم کر دی۔ اذان اور نماز عربی میں کہنے کی اجازت دی اور ان کے دور حکومت میں ترک حاجیوں کی تعداد دوسرے ممالک کے حاجیوں سے زیادہ ہو گئی۔ انہوں نے اس کثرت سے مساجد تعمیر کروائیں کہ انہیں "مسجدوں کا وزیر اعظم" کہا جانے لگا۔ اپنے

انقلابی پروگرام کی وجہ سے عدنان مینڈریس اتنے مقبول ہوئے کہ ایک ترک سیاستدان نے کہا "مصطفےٰ کمال کے بعد عدنان مینڈریس کے برابر ترکی میں کسی شخص کو عوام میں مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔"

مسٹر بھٹو نے بھی اپنی سیاست کا آغاز حکمران جماعت میں شامل ہو کر کیا، وہ حکمران جماعت مسلم لیگ کنونشن کے سرکردہ رہنما تھے۔ ایوب حکومت میں آٹھ سال وزیر رہے۔ اعلانِ تاشقند سے اختلاف رکھنے کے سبب حکومت سے علیحدہ ہوئے اور پھر کچھ عرصے کے بعد اپنی نئی سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی تشکیل دی۔ مسٹر بھٹو نے اپنا پارٹی منشور عوام تک پہنچانے کے لئے شہر شہر اور دیہات دیہات کا دورہ کیا۔ اور وہ پاکستان کے پہلے سیاستدان ہیں جنہوں نے ملک کے ہر گوشے کا دورہ کیا۔ مسٹر بھٹو اپنے اس عمل پر بہت فخر کرتے تھے۔ سپریم کورٹ میں دیئے گئے ایک حلفیہ بیان میں وہ کہتے ہیں "پاکستان کا کوئی کونہ ایسا نہیں ہے جہاں میرے نقشِ قدم نہ ہوں۔" ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں بھاری اکثریت حاصل کی۔ بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد جب فوجی حکومت نے مسٹر بھٹو کو اقتدار منتقل کیا تو ان کی پارٹی پاکستان کی قومی اسمبلی میں غالب اکثریتی جماعت تھی۔ مسٹر بھٹو نے اپنے دورِ حکومت میں متعدد اصلاحات کیں، زرعی اصلاحات، لیبر اصلاحات، تعلیمی اصلاحات، زرعی انتظام کی اصلاحات، انتظامی اصلاحات، بھاری صنعتوں، بنکوں اور انشورنس کمپنیوں اور زرعی صنعتوں کو قومی تحویل میں لیا۔ مزدوروں، سرکاری ملازمین اور فوجیوں کی اجرتوں میں اضافہ کیا۔ قومی پیداوار میں اضافے کے لئے ہر وسیلہ استعمال کیا گیا۔ نئی شاہراہیں تعمیر کی گئیں، اور بھٹو حکومت کے دور میں پاکستان میں کنسٹرکشن انڈسٹری نے جتنی ترقی کی، وہ ایک ریکارڈ ہے۔ ان اقدامات کی وجہ سے ملک اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ مسٹر بھٹو سرکاری شعبے کے زبردست حامی تھے اس کے برعکس عدنان مینڈریس نجی شعبے کے طرفدار تھے۔ مسٹر بھٹو بھی اگرچہ آزاد خیال تھے لیکن انہوں نے اسلام، مسلم دنیا اور فلسطین کے کاز کی جتنی خدمت کی، اتنی پاکستان کی کسی حکومت نے نہیں کی تھی، انہوں نے جو آئین بنایا اس میں صدرِ مملکت اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ جبکہ جماعت اسلامی کے محبوب ترین وزیر اعظم چوہدری محمد علی جالندھری کے آئین میں صرف صدرِ مملکت کے لئے مسلمان ہونا ضروری تھا، وزیر اعظم کے لئے نہیں، حالانکہ پارلیمانی نظام میں صدر صرف آئینی سربراہ ہوتا ہے۔ اور عنانِ حکومت دراصل وزیر اعظم کے پاس ہوتی ہے۔ پھر ختمِ نبوت کا مسئلہ طے کرنے کے بعد بھٹو حکومت نے آئین میں یہ ترمیم کی کہ صدرِ مملکت اور وزیر اعظم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ختمِ نبوت پر ایمان رکھتے ہوں۔ مسٹر بھٹو نے خصوصی طور پر مسلم ممالک سے نہایت خوشگوار تعلقات قائم کئے۔ اسلامی سربراہی کانفرنس بلوائی اور عرب کاز کی غیر مشروط حمایت کی۔ قبلۂ اول کی آزادی کے لئے ہر ممکن تعاون کیا۔ سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا۔ بھٹو دورِ حکومت میں حاجیوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ نارروا پابندیاں ختم کی گئیں۔ ریس، جوئے، شراب، نائٹ کلبوں پر پابندی لگائی گئی اور اتوار کی بجائے جمعہ کی چھٹی مقرر کی گئی۔

ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے الیکشن ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ہوئے ان میں عدنان مینڈریس کی ڈیموکریٹک پارٹی نے ۴۲۴ نشستیں حاصل کیں۔ ری پبلکن پارٹی نے ۱۷۳ اور دیگر جماعتوں کو صرف آٹھ نشستیں ملیں۔ بالفاظ دیگر مینڈریس کی پارٹی نے غالب اکثریت حاصل کی۔ اسی طرح مسٹر بھٹو کی پارٹی نے دوسرے الیکشن (مارچ ۱۹۷۷ء) میں قومی اسمبلی میں ۱۵۵ نشستیں حاصل کیں۔ پی این اے کو ۳۶، مسلم لیگ (قیوم گروپ) کو ایک اور قبائلی علاقے کے آزاد امیدواروں کو ۸ نشستیں ملیں۔ پیپلز پارٹی نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں ۳۹ فیصد ووٹ حاصل کئے تھے، جبکہ ۱۹۷۷ء میں ۵۸ فیصد حاصل کئے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں منتشر مخالف جماعتوں کو مجموعی طور پر ۶۱ فی صد ووٹ ملے تھے، جبکہ ۱۹۷۷ء میں ایک متحدہ حزبِ اختلاف کو صرف ۳۵ فیصد ووٹ ملے۔ اور یہ اعداد و شمار اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ پیپلز پارٹی پہلے سے زیادہ مقبول جماعت بن گئی تھی۔

عدنان مینڈریس کے دوبارہ وزیر اعظم بننے کے بعد مغربی ذرائع ابلاغ نے ان کے خلاف محاذ کھول دیا۔ مغربی پریس الزام لگانے لگا کہ عدنان مینڈریس حزبِ اختلاف کے ساتھ سخت اور تشدد آمیز رویہ برتتے ہیں۔ مارچ ۱۹۶۰ء میں ایک امریکی صحافی ای سی ہیدم کا ایک مضمون شائع ہوا۔

پاکستان میں ترکی طرز کا آئین کامیاب نہیں ہوگا، بھٹو

۱۴ ستمبر، ۱۵ رکو جناب بھٹو ضمانت پر رہا ہونے کے بعد کراچی آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ جنرل صاحب بھی ترکی بحران کی صورت میں فوج کے کردار کی آئینی حیثیت متعین کرنے کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا موقف کیا ہے؟ جناب بھٹو نے کہا۔ ترکی کا آئین پاکستان میں نہیں چل سکتا پاکستان ایک فیڈریشن ہے جس کے چار صوبے ہیں ہر صوبے کی اپنی حکومت ہے۔ ترکی میں صرف مرکز اور مرکزی حکومت ہی فیڈریشن حاصل ہے۔ ترکی میں آئین ۱۹۶۱ء کے بعد آیا۔ ترکی کا آئین بھی ۔۔۔۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ترکی کی فوج تک مشکلات کا شکار ہے۔ ۱۹۶۰ء میں مینڈریس حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اسے دار پر لٹکا دیا گیا اور انکے دو ساتھیوں اور دوسرے سیاستدانوں کو سزائیں سنائی گئیں اور آئین میں فوج کے کردار کو متعین کیا گیا لیکن سیاسی بحران پر ابھی تک قابو نہیں پایا جاسکا۔ اگر مینڈریس کو سیاسی عمل کے ذریعے محروم اقتدار کیا جاتا اور الیکشن میں انہیں شکست دی جاتی تو ترکی میں سیاسی استحکام پیدا ہو جاتا لیکن انہیں غیر آئینی طریقے سے ہٹایا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۔۔۔ گزرنے کے باوجود ترکی میں سیاسی استحکام پیدا نہیں ہو سکا۔ ان باتوں سے میرا مطلب ترکی پر تنقید کرنا نہیں۔ میں ترک عوام کی بہت عزت کرتا ہوں وہ بہت عظیم اور بہادر ہیں لیکن میں ان سے انحراف نہیں کر سکتا پاکستان میں ترکی کا آئین ۔۔۔ اگر نافذ کیا گیا تو سیاسی استحکام پیدا نہ ہو سکے گا سیاسی بحران تب پیدا ہوتا ہے ہم نے الیکشن کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا اگر انتخابات میں ہمیں شکست ہوتی تو ہم حزب اختلاف میں بیٹھ جاتے، یہ جمہوری عمل ہوتا۔ اور ملک میں سیاسی بحران بھی پیدا نہیں ہوتا۔" ●

جس میں مینڈریس حکومت کی سیاسی اور اقتصادی ... البیروں کو ہدف تنقید بنایا۔ ترکی کے رجعت پسند اخبارات نے اس مضمون کے اقتباسات شائع کئے اور خوب پروپیگنڈہ کیا مسٹر بھٹو کے خلاف بھی پروپیگنڈے کا محاذ سب سے پہلے مغربی پریس نے کھولا تھا جس میں برطانوی اخبارات پیش پیش تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بھٹو حکومت نے برطانوی انشورنس کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے لیا تھا اور معاوضہ بھی دینے سے انکار کر دیا تھا جب کہ پاکستان کی موجودہ فوجی حکومت نے ۴۰ لاکھ پونڈ بطور معاوضہ اُس وقت ادا کر دیئے جب گزشتہ سال برطانوی وزیراعظم کالاہان نے پاکستان کا دورہ کیا۔

ترکی میں الیکشن کے دن نزدیک آ رہے تھے، حزبِ اختلاف نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مینڈریس حکومت نے بڑے پیمانے پر دھاندلی کرنے کی تیاریاں کر لی ہیں۔ اور وہ ملک کے استحکام اور خوشحالی کا پروپیگنڈہ کر کے عوام کو دھوکا دینا چاہتی ہے۔ پاکستان میں بھی مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن سے قبل ہی پی این اے نے شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ بھٹو حکومت الیکشن میں دھاندلی کی تیاری کر چکی ہے۔ حالانکہ اس کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

ترکی حزبِ اختلاف دھمکیوں پر اتر آئی۔ ۱۷ اپریل ۱۹۶۰ء کو قائد حزبِ اختلاف عصمت انونو نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے دھمکی دی۔ "یقین رکھیئے کہ وہ وقت دور نہیں جب آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔" صاف ظاہر ہے کہ عصمت انونو فوجی مداخلت کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ پاکستان میں بھی حزبِ اختلاف (پی این اے) ایسی ہی دھمکیاں دیتی تھی خصوصاً اصغر خان الیکشن مہم کے دوران اپنی ہر تقریر میں کہتے تھے کہ بھٹو کو اب کوئی نہیں بچا سکتا۔ اُس کا وقت قریب آ گیا ہے۔ پولیس، ایف ایس ایف اور فوج ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اصغر خان نے مسلح افواج کے سربراہوں کو خطوط بھی لکھے، جن میں انہیں بھٹو حکومت کے خلاف اکسایا گیا۔ اور کہا گیا کہ وہ بھٹو حکومت کے احکامات ماننے سے انکار کر دیں۔

اپریل ۱۹۶۰ء میں عدنان حکومت کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے۔ حالات بگڑنے لگے۔ عدنان مینڈریس نے ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "مظاہرے غیر ملکی ایجنٹ کر رہے ہیں۔ جو ترکی کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ ملک کی سالمیت خطرے میں ہے۔ خون کے پیاسے کتوں کو صرف میرا سر چاہیئے۔ لیکن میں کسی قیمت پر وطنِ عزیز کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔" ہنگامے بڑھتے چلے گئے چنانچہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۰ء کو استنبول اور انقرہ میں مارشل لاء لگا دیا گیا لیکن فوج مظاہرین کے ساتھ مل ہوئی تھی بلکہ ۲۱ مئی ۱۹۶۰ء کو ایک ہزار فوجی کالج کے کیڈٹ نے انقرہ کی سڑکوں پر مینڈریس حکومت کے خلاف مارچ کیا۔

پاکستان میں بھی الیکشن مارچ ۱۹۷۷ء کے فوری بعد ہنگامے شروع ہوئے۔ ۲۸ اپریل ۱۹۷۷ء کو مسٹر بھٹو نے پارلیمان کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "پاکستان کا موجودہ بحران ایک بین الاقوامی سازش کا نتیجہ ہے۔ ایک ملک موجودہ تحریک کے لئے بھاری رقم خرچ کر رہا ہے۔ ہاتھی کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے۔ اور ہاتھی نے ویت نام اور مشرقِ وسطیٰ میں ہمارے موقف کو فراموش نہیں کیا۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہے۔ لیکن میں اپنے مشن کو ضرور پورا کروں گا۔ میں سادات نہیں ہوں" کراچی، حیدرآباد، لاہور، لائل پور میں مارشل لاء لگا دیا گیا جسے فوجی کو دیتا کے بعد جنرل ضیاء نے "لولے لنگڑے" مارشل لاء سے تعبیر کیا۔

مئی ۱۹۶۰ء کے اوائل میں ترک بری فوج کے جنرل گرسل نے "احتجاجاً" استعفیٰ دیدیا اور اپنے الوداعی پیغام میں فوج کو ہدایت کی: "شرپسند ماحول سے اپنے آپ کو بچاؤ، افواج کی عزت بلند رکھنا تمہارا فرض ہے۔ اور سب سے ضروری فرض تم پر یہ ہے کہ سیاست میں ملوث نہ ہو۔"

پاکستان میں ۲۷ اپریل ۱۹۷۷ء کو جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل ایم شریف، چیف آف آرمی اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق، چیف آف نیول اسٹاف ایڈمرل محمد شریف اور چیف آف ایئر اسٹاف ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان نے ایک مشترکہ بیان میں اعلان کیا کہ مسلح افواج حکومت کی جانب سے عائد ہونے والی اپنی آئینی ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے متحد ہیں۔ بیان میں کہا گیا: "فوجی ضابطے کی رو سے سپاہیوں ملاحوں اور ایئرمینوں کو سیاست سے کوئی واسطہ رکھنے کی ممانعت ہے۔"

۲۷ مئی ۱۹۶۰ء کی شب کو ترک افواج نے جنرل گرسل کی جنہوں نے تین ہفتے قبل استعفیٰ دے دیا تھا اور فوج کو سیاست میں ملوث نہ ہونے کی ہدایت کی تھی، قیادت میں عدنان مینڈریس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ صدرِ مملکت جلال بایار، وزیراعظم عدنان مینڈریس، اور دیگر وزراء کو گرفتار کر لیا گیا۔ مینڈریس اور ان کے ساتھیوں کو جزیرہ یاسی ادا میں پہنچا دیا گیا۔ جنرل گرسل نے کہا: "میں مینڈریس اور ان کے ساتھیوں کو ... آرام کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے اعصاب تھک چکے ہیں۔" کاروبارِ مملکت چلانے کے لئے فوجی افسروں پر مشتمل ایک "نیشنل یونٹی کمیٹی" بنانے کا اعلان کیا گیا۔

پاکستان میں بھی ۴ اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب میں بھٹو حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اور فوجی کو دیتا کی قیادت چیف آف آرمی اسٹاف جنرل ضیاء الحق کر رہے تھے، حالانکہ انہوں نے اور جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے دیگر تین ارکان نے ۲۷ اپریل کو بھٹو حکومت کو قانونی اور آئینی قرار دیتے ہوئے مسلح افواج کو سیاست میں حصہ نہ لینے کی ہدایت کی تھی۔ مسٹر بھٹو اور ان کے بعض وزراء کو حفاظتی تحویل میں لے کر ٹھنڈے اور پُرفضا مقام مری میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور کاروبارِ حکومت کے لئے ایک ملٹری کونسل تشکیل دی گئی۔

جنرل گرسل نے اپنی پہلی نشری تقریر میں کہا "سیاستدان طاقت اور حکومت کے نشے میں اندھے ہو رہے تھے اس لئے مجبوراً افواج کو ملک کے عظیم تر مفاد میں مداخلت کرنا پڑی مجھے آمر بننے کا شوق تو کجا خیال تک نہیں۔ اس انقلاب کا واحد مقصد یہ ہے کہ ملک میں جلد از جلد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرائے جائیں اور جو بھی پارٹی منتخب ہو، اقتدار اس کے سپرد کر دیا جائے۔" چند روز بعد جنرل گرسل نے پھر قوم سے خطاب کیا اور وعدہ کیا: "اگر حالات سازگار رہے تو ایک ماہ تک انتخابات کی تیاریاں کر لی جائیں گی اور کچھ دشواریاں ہوئیں تو پھر الیکشن میں زیادہ سے زیادہ تین ماہ لگیں گے۔"

جنرل ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا اور کہا: "جب سیاستدان ملک کو بحران سے نکالنے میں ناکام رہیں تو افواجِ پاکستان کے لئے خاموش تماشائی بنے رہنا ایک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فوج کو مجبوراً مداخلت کرنی پڑی ہے یہ اقدام صرف ملک کو بچانے کی خاطر کیا گیا ہے... میں یہ بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نہ کوئی میرے سیاسی عزائم ہیں اور نہ ہی فوج اپنے سپاہیانہ پیشے سے اکھڑنا چاہتی ہے... میرا واحد مقصد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانا ہے جو اس سال اکتوبر میں منعقد ہوں گے۔ انتخابات مکمل ہوتے ہی میں اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ

دوں گا. اور میں اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا. آئندہ تین ماہ میں میری ساری توجہ انتخابات پر مرکوز ہوگی اور میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے اپنے اختیارات کو دوسرے معاملات پر ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

ترکی کے فوجی حکمران جنرل گرسل کا ابتداً میں خیال تھا کہ عدنان میندریس عوام میں مقبولیت کھو چکے ہیں اور ان کی پارٹی ہرگز برسرِ اقتدار نہیں آسکے گی لیکن فوجی کودیتا کے پندرہ دن کے بعد انہیں احساس ہوا کہ پابندِ سلاسل عدنان پہلے سے زیادہ مقبول ہوگیا ہے. چنانچہ حکومت کے ایک نمائندہ نے اعتراف کیا "تقریباً ساٹھ فی صد ووٹروں نے ڈیموکریٹک پارٹی کو ووٹ دیئے تھے. اس لئے میندریس ابھی تک دیہات میں کسانوں اور مزدوروں میں مقبول اور ہر دلعزیز ہیں... جب ہم اپنے ان پڑھ عوام کو بتلاتے ہیں کہ میندریس نے آئین کی خلاف ورزیاں کی ہیں تو وہ اسے جھوٹ کا پلندہ اور سزا دینے کا ایک بہانہ سمجھتے ہیں". دوسری جانب حزب اختلاف کی جماعت ری پبلکن کے رہنما کا کہنا تھا کہ "انتخابات میں عوام میندریس کو ووٹ دیں گے. اگر وہ برسرِ اقتدار آگئے تو پھر کیا ہوگا" چنانچہ انہوں نے فوجی حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کیا. اور الیکشن ملتوی ہوتے گئے.

پاکستان کے بھی فوجی حکمران یہ سمجھتے تھے کہ مسٹر بھٹو مقبول ترین رہنما نہیں رہے اور سیاسی طور پر مردہ ہو چکے ہیں لیکن جب مسٹر بھٹو حفاظتی تحویل سے رہا ہو کر لاڑکانہ پہنچے اور پھر کراچی، ملتان، لاہور اور پشاور کا دورہ کیا تو ہر جگہ ان کا تاریخی استقبال کیا گیا. خصوصاً لاہور کے استقبال نے مخالفین کے تمام تر منصوبوں پر پانی پھیر دیا. پھر مسٹر بھٹو کو قتل کی سازش کے الزام میں ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو گرفتار کر لیا گیا. وہ ضمانت پر رہا ہوئے تو انہیں چند دن بعد مارشل لاء کے ضابطے کے تحت گرفتار کر لیا گیا. اس کے باوجود پیپلز پارٹی نے الیکشن مہم چلائی اور صاف نظر آرہا تھا کہ وہ الیکشن جیت جائے گی چنانچہ الیکشن ملتوی کر دیئے گئے. اب ۲۳ مارچ کو جنرل ضیاء نے ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کو الیکشن کرانے کا وعدہ کیا ہے. ابھی سات ماہ باقی ہیں. نجانے اس عرصے میں کیا کچھ ہو جائے.

ترکی کے جنرل گرسل نے ابتداً میں کہا تھا کہ وہ ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنماؤں کو کسی قسم کی سزا دینے کے حق میں نہیں، لیکن بعد میں انہوں نے حزب اختلاف کو اکسایا کہ وہ عدنان میندریس اور ان کی پارٹی کے دیگر رہنماؤں کے محاسبے کا مطالبہ کرے. چنانچہ حزب اختلاف نے "ظالموں سے بدلہ لو" اور "بے ایمانوں کا محاسبہ کرو" کے مطالبات شروع کر دیئے. اسی اثناء میں فوجی حکومت نے "انکشاف" کیا: "چند جیلوں میں ایسے افراد کی لاشیں ملی ہیں جو میندریس حکومت کے مخالف تھے اور میندریس انتظامیہ نے ان پر اس قدر ظلم و تشدد کیا کہ وہ ہلاک ہوگئے. انہیں خفیہ طریقے سے ٹھکانے لگانے کا بندوبست ہو رہا تھا کہ انقلاب آگیا. ان میں سے کچھ شہیدوں کو نامعلوم مقامات پر دفن کیا جا چکا، کچھ کو کنوؤں میں پھینکا گیا، کچھ مردہ خانوں میں پڑے ہیں اور کچھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے درندوں کے آگے پھینکا گیا". اس انکشاف کے بعد ڈیموکریٹک پارٹی کے ۴۰۳ سابق ارکانِ اسمبلی گرفتار کر لئے گئے.

پاکستان کے جنرل ضیاء نے بھی اعلان کیا تھا کہ وہ

سیاستدانوں کا ہرگز محاسبہ نہیں کریں گے، خواہ ان کے پاس ٹھوس ثبوت ہوں. لیکن بعد میں انہوں نے اپنے انٹرویو میں مسٹر بھٹو پر قاتل اور خائن ہونے کا الزام لگایا. محاسبے کا اعلان کیا. اور پی این اے نے ان اقدامات کی کھل کر حمایت کی. پھر مارشل لاء کابینہ کے وزیر دفاع میر علی احمد تالپور نے انکشاف کیا کہ سندھ میں بھٹو نے اپنے مخالفین کو قتل کروا کر اجتماعی قبروں میں دفن کر دیا تھا.

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو یاسی ادا کے جزیرے میں عدنان میندریس، جلال بایار اور ان کے دیگر ساتھیوں کے خلاف مقدمے کی سماعت شروع ہوئی. یہ مقدمہ ایک خصوصی فوجی عدالت میں چلایا گیا. عدنان میندریس پر استغاثے نے خفیہ فنڈ کے ناجائز استعمال، سیاسی مخالفین کے جلسوں میں گڑبڑ کرانے، دھمکیاں دینے، پتھراؤ کرنے، انکم ٹیکس ادا نہ کرنے، نجی دوروں کے اخراجات سرکاری فنڈ سے ادا کرنے کے الزامات لگائے اور سب سے اہم الزام کہ انہوں نے آئین کی خلاف ورزیاں کی تھیں. ستم ظریفی ہے کہ یہ الزام اس فوجی حکومت نے لگایا جس نے ترک آرمی ایکٹ کی خلاف ورزی کی. ملک کے آئین کو توڑا، اور ایک آئینی حکومت کا تختہ الٹا تھا. ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء کو سابق وزیر اعظم عدنان میندریس، سابق صدر مملکت جلال بایار، سابق وزیر خارجہ، وزیر خزانہ اور دیگر گیارہ افراد کو سزائے موت سنا دی گئی. پھر عدالت نے خود ہی جلال بایار، کورآل تان اور استوار دل کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا. دنیا کے اکثر سربراہانِ مملکت اور حکومتوں نے رحم کی اپیل کی تو جنرل گرسل نے کہا: "یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے اور کسی قسم کی مداخلت بین الاقوامی اصولوں کے منافی ہے. ہمیں دنیا کی مخالف یا موافق رائے کی فکر نہیں". عدنان میندریس کو پھانسی دیدی گئی.

پاکستان میں مسٹر بھٹو پر قتل کی سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا. لاہور ہائی کورٹ نے سزائے موت کا فیصلہ دیا. سپریم کورٹ نے بھی اس سزا کو اپنے ۴-۳ کے اکثریتی فیصلے کے تحت برقرار رکھا اور نظر ثانی کی درخواست مسترد کر دی. اردن کے علاوہ دنیا بھر کے ممالک کے صدور اور وزیر اعظموں نے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیلیں کیں جس پر جنرل ضیاء نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا: "یہ سیاستدانوں کی ٹریڈ یونین کی سرگرمیاں ہیں". بہرحال تادمِ تحریر جنرل ضیاء نے رحم کی اپیلوں پر کوئی فیصلہ نہیں دیا ہے. اور مسٹر بھٹو راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں موت کی کوٹھڑی میں بند ہیں.

عدنان میندریس کو پھانسی پر چڑھانے کے بعد جنرل گرسل کے ہوسِ اقتدار میں اضافہ ہوا. انہوں نے ایسا آئین بنایا جس کے تحت ترک فوج کو اقتدار میں حصہ دیا گیا، اور فوج کا سربراہ صدرِ مملکت بنایا گیا. سپریم ملٹری کونسل تشکیل دی گئی. جو عوام کی منتخب کردہ گرینڈ نیشنل اسمبلی کے فیصلے کو بھی مسترد کر سکتی ہے اور فوج کو یہ اختیار دیا گیا کہ جب وہ ضرورت محسوس کرے منتخب سول حکومت کو معزول کر کے ملک میں مارشل لاء لگا دے. اس آئین کے تحت جنرل گرسل صدرِ مملکت بنے. یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جنرل گرسل بہت اذیت ناک موت مرے. وہ ہسپتال میں دو سال تک بیہوشی کی حالت میں رہے اور اسی عالم میں فوت ہو گئے.

پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء بھی فوج کی آئینی ذمے داریوں کا بہت ذکر کرتے ہیں. اور بتایا جاتا ہے کہ آئین میں ترمیمات کا منصوبہ بھی ان کے پیشِ نظر ہے.

***

کیا خریدی ہوئی زرعی زمین پر عشر حاصل کیا جا سکتا ہے

بھٹو نے ساڑھے تین لاکھ روپے سالانہ مالیہ معاف کیا اب ایک کروڑ اکسٹھ لاکھ ادا کرنے ہونگے

نواز خلجی

عشر اور چھوٹے زمیندار

صرف ایک ضلع نواب شاہ کا جائزہ

محققین کی تحقیق کے مطابق دنیا میں کھیتی باڑی کی ابتدا ساتھ ہزار سال قبل مسیح کے دوران وادی دجلہ و فرات میں ہوئی کیونکہ اس خطہ میں حضری زندگی کے لئے جو کاشتکاری کی بنیادی شرط ہے حالات نہایت سازگار تھے۔ اس علاقے میں جو اور گیہوں کے جنگلی پودے آسانی سے مل جاتے تھے۔ علماء عمرانیات کا کہنا ہے کہ کاشتکاری کے فن کی موجد عورت ہے۔ قیاس بھی یہی کہتا ہے کیونکہ اس دور میں مرد تو جنگلی جانوروں کا شکار کرنے چلے جاتے تھے اور عورتیں ڈیروں میں رہتی تھیں ظاہر ہے ان کو ڈیروں کے آس پاس پودوں، درختوں اور بے ضرر جانوروں کے مطالعے کا زیادہ موقعہ ملتا تھا کیا عجب کہ کبھی کسی عورت نے ڈیرے کے قریب جو یا گیہوں کے کچھ دانے گر گئے ہوں اور پھر ان دانوں میں اس عورت نے انکھوے پھوٹتے دیکھے ہوں لہٰذا ماہرین کی رائے میں یہی واقعہ دنیا میں زراعت کی ابتدا ہے اسی کے بعد سے دنیا میں خالی پڑی ہوئی زرخیز زمینوں کی اہمیت بڑھنا شروع ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ زمینوں کی اہمیت اتنی بڑھ گئی کہ آج زمین پر حق ملکیت کے حصول کے لئے انسان انسان کا خون کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

ہمارا ملک پاکستان بھی ایک زرعی ملک ہے جس کی آبادی کا اسی فیصد حصہ دیہی علاقوں میں آباد ہے اور ان کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور گلہ بانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ۳۲ سالوں کے دوران اس ملک میں جو بھی حکومت برسر اقتدار آئی اس نے ملک کی اسی فیصد آبادی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہی اعلان کیا کہ وہ ملک کے تمام مسائل پر زراعت کے پیشے سے منسلک غریب بے زمین کاشتکاروں کے مسائل کو فوقیت دیگی تاکہ ان بے زمین ہاریوں اور مزارعوں کی حمایت سے اپنے اقتدار کی مدت میں کچھ دنوں کا اضافہ کر سکے کیونکہ پاکستان کے بے زمین ہاری بھی دنیا کے پسماندہ ملکوں کے کسانوں کی طرح صدیوں سے جاگیرداروں، نوابوں اور بڑے بڑے زمینداروں کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے نہایت کسمپرسی کی حالت میں سسک سسک کر زندگی کے دن گزار رہے ہیں لہٰذا جو بھی حکمران برسر اقتدار آیا اس نے غریب بے زمین کسانوں کے نام پر ہمیشہ اپنے طبقے کے جاگیرداروں بڑے بڑے زمینداروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے نام نہاد زرعی اصلاحات نافذ کیں اور ایسے قوانین مرتب کیے کہ پاکستان کے کسانوں چھوٹے زمینداروں کو کسی قسم کا فائدہ پہنچنے کے بجائے وہ زمینداروں اور سرکاری ملازمین، تحصیلدار اور پٹواری آبدار کے درمیان گھن کی مانند پس کر رہ گیا۔ اس کے مسائل میں کمی آنے کی بجائے روز افزوں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ پاکستان کے فوجی حکمران ایوب خان اور یحییٰ خان کی زرعی اصلاحات اور زرعی قوانین صرف کاغذوں تک محدود رہے عملی طور پر ان قوانین کو نافذ نہیں کیا گیا جس کے باعث پاکستان کا ہاری روز اول کی طرح زمینداروں کے ظلم و ستم اور جبرہ دستیوں کا شکار رہا۔ زمیندار ہاریوں سے کھلے بندوں بے گار لیتے، اپنی اوطاق اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی اپنے کمدار کی تنخواہ وغیرہ کے اخراجات تحصیلدار پٹواریوں، محکمہ انہار کے آبداروں، انجینئروں کے ماہانے ان کی ناجائز فرمائشوں اور شراب و شباب کی محفلوں کے تمام اخراجات ہاریوں کے حصہ میں سے وصول کرتے رہے اگر کوئی ہاری زمیندار کی ان من مانی کارروائیوں میں حائل ہونے کی کوشش کرتا تو اسے مذکورہ سرکاری ملازموں کی مدد و تعاون سے جنہیں زمیندار ہاریوں کے حصہ سے ماہانے ادا کرتا ہے بے دخل کر دیتا پولیس میں جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر جیل بھجوا دیتا ہاریوں کی عورتوں کو اغوا کرا دیتا یا انہیں اپنی داشتائیں بنا لیتا کوئی سرکاری ملازم کسی زمیندار کے خلاف ہاریوں کی فریاد سننے کو تیار نہ ہوتا۔ الغرض اس ملک میں بے زمین ہاریوں چھوٹے زمینداروں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ ہاری فصل کی ٹبائی کے موقع پر اپنے خون پسینے کی سال بھر کی کمائی کو زمیندار کے ہاتھوں بے دردی سے لٹتے ہوئے دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا اس لئے کہ وہ بے بس اور لاچار تھا۔

اسی لوٹ کھسوٹ کے دوران فوجی جرنیل فیلڈ مارشل ایوب خان کی حکومت کے جوان سال وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو اقتدار کو ٹھوکر مار کر حکومت سے باہر آ گئے پھر انہوں نے پیپلز پارٹی تشکیل دیکر ان بے زمین ہاریوں کے مسائل کی باتیں کیں۔ جو زمینداروں کے زرخرید غلاموں کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ بھٹو صاحب نے قریہ قریہ گاؤں گاؤں جا کر ان ہاریوں کو بیدار کیا ان میں زندگی کی نئی روح پھونکی انہیں زندہ رہنے کے آداب سے آگاہ کیا انہیں بتایا کہ ان کی اس ملک میں سیاسی اہمیت کیا ہے بھٹو صاحب نے بتایا کہ وہ اپنے ووٹ کی طاقت سے اس ملک میں اقتدار کے دھاروں کا رخ کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان کی ناواقفیت اور کم علمی کے باعث اس ملک کا اقلیتی جاگیردار طبقہ ہاریوں کے اکثریتی طبقہ پر حکومت کر رہا ہے بھٹو صاحب کے ان طوفانی دوروں نے اس ملک کے ہاریوں اور کسانوں کو وہ سیاسی شعور عطا کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کا ہاری ان جاگیردار قسم کے بڑے بڑے زمینداروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے وہ حقوق طلب کرنے لگا جو صدیوں سے زمیندار طبقے نے اپنی عیاری و مکاری سے سلب کر رکھے تھے اور جب چاہتے اور جس کے ہاتھ چاہتے ہاریوں کے ووٹوں کا اس طرح سودا چکا دیتے جیسے بھیڑ بکریوں کے کسی ریوڑ کا سودا کیا جاتا ہے اور جب فوجی حکمران یحییٰ خان نے عوامی دباؤ کے تحت عام انتخابات کرائے تو پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار بے زبان ہاریوں نے اپنے زمینداروں سے بغاوت کر کے اپنی مرضی سے اپنی پسند کے امیدوار کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ملک کے مظلوم ہاریوں کی یہ بغاوت اس بات کا ثبوت تھی کہ بھٹو نے ان کسانوں کے پیروں میں صدیوں سے پڑی ہوئی ظلم و استبداد کی وہ بیڑیاں کاٹ ڈالی ہیں جو زمینداروں جاگیرداروں نے انہیں پہنا رکھی تھیں بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی نے جو ملک کے کسانوں اور مزدوروں کے ووٹ سے کامیاب ہوئی تھی جب اقتدار سنبھالا تو سب سے پہلے کسانوں کی حالت بہتر بنانے ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیئے دوررس اقدامات کیئے ملک سے جاگیرداری اور سرداری نظام کو عملی طور پر ختم کیا۔ زمین کی ملکیت کی حد مقرر کی بڑے بڑے زمینداروں سے فالتو زمین حاصل کر کے بے زمین ہاریوں میں تقسیم کی۔ دیہی علاقوں میں ہاریوں اور کسانوں کی رہائشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے مرلہ اسکیم کے تحت مفت زمین فراہم کی تاکہ کوئی زمیندار کسی ہاری کو بے گھر نہ کر سکے۔ بید خلیوں کا سلسلہ ختم کیا ہاریوں کو اس زمین پر وہی حقوق دیئے جو زمین کے مالک کو حاصل تھے بیگار اور کمداری خرچہ زمیندار کے مہمانوں کی مہمان نوازی کا خرچہ جو ہاری کے حصہ سے وصول کیا جاتا تھا قانونی طور پر ختم کیا اس کے علاوہ چھوٹے زمینداروں کو پٹواریوں سے نجات دلانے کے لئے مالیانہ کی معافی دی اس معافی کے اعلان سے صرف نواب شاہ ضلع میں چھوٹے زمینداروں کو جو فائدہ پہنچا اس کی تفصیل یہ ہے۔

جن زمینداروں کے پاس ایک ایکڑ سے لیکر بارہ ایکڑ زمین تھی اس کی تعداد ۸۰،۰۰۷ تھی ان کی زمین کا رقبہ ۲،۹۶،۰۹۶ ایکڑ تھا۔ انہیں ۴۷،۶۴۹ ،۲،۱۲ روپے مالیہ کی چھوٹ ملی جبکہ ۱۲، ایکڑ سے ۲۵، ایکڑ زمین کے ۲۸،۳،۱ مالکان کی ۱۴۰،۵۸۷ ایکڑ زمین پر ۳۹،۵۹۱، روپے کی معافی دی گئی جبکہ ۱۲ سے ۲۵ ایکڑ نہری زمین کے ۱۳،۳۹۵ مالکان کی زمین کا رقبہ ۲،۵۶،۱۹۳ ایکڑ تھا اور مالیہ کی رقم جو معاف کی گئی ۱۷،۴۶،۸۹۳ روپے تھی ۲۵ سے ۵۰، ایکڑ بارانی زمین کے ۱۸۲ مالکان کی ۵،۹۶۳ ایکڑ زمین کا مالیہ ۱۹،۴۳۸ روپے معاف کیا گیا گویا بھٹو صاحب نے زرعی اصلاحات نافذ کیں ان سے صرف نوابشاہ ضلع کے ۹۵،۶۱۲ چھوٹے زمینداروں کی ۵،۷۲،۸۳۹ ایکڑ زمین کا ۳۰،۵۲،۰۵۱ روپے کا مالیہ معاف کیا گیا ان اعداد و شمار سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پورے ملک میں کتنے چھوٹے زمینداروں کو ان اصلاحات سے فائدہ پہنچا ہوگا۔

آج پھر ہمارے ملک سے عوام کی منتخب حکومت کو ختم کر کے فوجی حکومت قائم کر دی گئی ہے ملک کا اقتدار اس وقت فوج کے ہاتھ میں ہے لہٰذا سابقہ فوجی حکومتوں کی طرح اس حکومت کو بھی ملک کے ہاریوں کا غم کھائے جا رہا ہے اور فوجی حکومت میں شامل قومی اتحاد کے غیر منتخب نمائندے جو حکومت وقت کے مشیر بھی ہیں ہاریوں اور کسانوں کے غم میں دُبلے ہوئے جا رہے ہیں موجودہ حکومت اس بار بہت دور کی کوڑی ڈھونڈ کر لائی ہے فوجی حکومت عوامی حکومت کے زرعی نظام کو یکسر بدل کر مودودی اور مفتی صاحب کے دماغوں کی اختراع کو اسلام کے زرعی نظام کا نام دے کر اس ملک کے ہاریوں اور کسانوں پر مسلط کر رہی ہے گویا اس ملک میں جدید زرعی نظام کو ختم کر کے استحصالی جاگیرداری نظام دوبارہ لایا جا رہا ہے کیونکہ اسلام کے زرعی نظام میں زمین کی ملکیت کی کوئی حد مقرر نہیں اس طرح کہیں وہ زمین جو سابقہ حکومت نے بڑے زمینداروں سے چھین کر بے زمین کسانوں میں تقسیم کی تھی دوبارہ انہی زمینداروں کو واپس کرنے کی منصوبہ بندی تو نہیں ہے اگر ایسا کیا گیا تو پاکستان کے غریب ہاریوں کے دلوں میں اسلام کے لیے شک و شبہات پیدا ہو جائیں گے کہ یہ نظام صرف بڑے لوگوں کو ہی تحفظ فراہم کرتا ہے یہی نہیں بلکہ اسلامی زرعی نظام کے نفاذ کے بعد تحصیلدار پٹواری وغیرہ دوبارہ چھوٹے زمینداروں اور ہاریوں پر مسلط ہو جائیں گے جن سے سابقہ حکومت نے نجات دلائی تھی۔

اسلامی زرعی نظام کا اعلان کرتے ہوئے فوجی حکومت کے سربراہ جنرل ضیاء الحق صاحب نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا کہ اسلامی نظام میں عشر کی جو شرح مقرر کی گئی ہے اس کے مطابق بارانی زمین کی پیداوار کا دس فیصد اور چاہی یا نہری زمین کی پیداوار کا پانچ فیصد کے حساب سے عشر وصول کیا جائے گا اور بارانی زمینوں والے باقی پانچ فیصد اپنی مرضی کے مطابق مصارف زکوٰۃ پر خرچ کریں گے۔ صدر نے کہا کہ عشر ان مالکان اراضی سے وصول کیا جائے گا جن پر یہ شرعی لحاظ سے واجب ہوتا ہے مزارعین کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی کمائی میں سے عشر کی رقم رضاکارانہ طور پر حکومت کے مقرر کردہ کھاتے میں جمع کر دیں یا خود مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیں صدر نے بتایا کہ عشر کی ادائیگی کے ساتھ ہی مالیہ معاف ہو جائے گا۔ البتہ آبیانہ جاری رہے گا۔ عشر کا اطلاق آئندہ فصل خریف سے ہوگا۔ صدر نے کہا کہ عشر کے بقایاجات مالیہ کی طرح وصول کیئے جائیں گے۔

صدر پاکستان نے اپنی نشری تقریر میں عشر کے نظام کی جو وضاحت کی ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ عشر کی رقم زمینداروں سے مالیہ کی طرح حکومت کے نمائندے یعنی تحصیلدار پٹواری وصول کریں گے۔ البتہ ہاریوں کو فی الحال یہ چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ اپنی کمائی میں سے عشر کی رقم رضاکارانہ طور پر جمع کرا دیں۔ ہو سکتا ہے آئندہ چند سالوں بعد ہاریوں سے بھی عشر کی رقم سرکاری طور پر مالیہ کی طرح وصول کی جاتے

لگے۔ اس طرح عشر کے مد میں زمین کی دس فیصد آمدنی مالیہ کے عوض حکومت کو ادا کرنی پڑے گی جس میں سے پانچ فیصد زمیندار اور پانچ فیصد ہاری ادا کرے گا جبکہ بارانی زمین کی پیداوار کا بیس فیصد عشر کی مد میں ادا کرنا ہوگا اب دیکھیں عشر کا نظام رائج کرکے پاکستان کے زمینداروں اور ہاریوں کو حکومت نے کیا دیا اور ان سے کیا وصول کیا ہے۔

عشر کا نظام مسلمانوں کے خلیفۂ دوم کے دور میں نافذ ہوا حضرت عمر فاروق رضؓ کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری تھا مفتوحہ علاقوں میں خالی پڑی ہوئی زمینوں کو آباد کرنے والا کوئی نہ تھا لہٰذا انہوں نے اعلان کیا کہ جو بھی جس زمین کو زندہ کرکے قابلِ کاشت بنائے گا وہ زمین اس کی ملکیت ہوگی اسے صرف اپنی پیداوار کا دس فیصد عشر کی مد میں ادا کرنا ہوگا جبکہ بارانی زمینوں کے لئے عشر کی مد میں پیداوار کا بیس فیصد حصہ مقرر کیا گیا۔ آج جبکہ دنیا چاند پر پہنچکر مریخ اور زہرہ پر کمندیں پھینک رہی ہے تو ہمارے ملک میں جدید زرعی نظام کو معطل کرکے عشر کا نظام نافذ کیا گیا ہے جبکہ اس ملک میں زمینداروں کو زمین حکومت نے مفت فراہم نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے یہ زمینیں قیمت ادا کرکے خریدی ہیں حتیٰ کہ حکومت نے بھی سرکاری زمین لوگوں کو دی ہے باقاعدہ اس کی قیمت وصول کی ہے ان حالات میں عشر کا نظام کیونکر پاکستان میں لاگو ہو سکتا ہے اس کے بارے میں علمائے دین ہی کچھ بتا سکتے ہیں ہم تو یہاں اعداد و شمار کے ذریعہ آپ کو صرف اتنا بتائیں گے کہ عشر کے نظام سے حکومت زمیندار اور اس ملک کے ہاری کو کیا فائدہ اور کیا نقصان پہنچا ہے لہٰذا ہم ذیل میں صرف نواب شاہ ضلع کے اعداد و شمار پیش کر رہے ہیں جس سے پورے ملک کا زرعی نقشہ آپ کے سامنے ہوگا کہ حکومت وقت نے عشر کا نظام دیکر زراعت کے پیشہ سے منسلک لوگوں سے کیا حاصل کیا ہے

نواب شاہ ضلع میں کل رقبہ ۱۸,۵۳,۴۴۰ ایکڑ ہے جس میں سے دریائے سندھ کے حفاظتی پشتے کے اندر ۱,۲۶,۸۸۹ ایکڑ ہے جسے کچا کہتے ہیں۔ جنگلات ۱,۹۸۰,۷ ایکڑ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ سیم زدہ رقبہ ۱۷,۴۴۷ ایکڑ ہے۔

اسی طرح نواب شاہ ضلع میں

ناقابلِ کاشت رقبہ ۲,۸۵,۸۶۲ ۔ ایکڑ

قابلِ کاشت رقبہ:۔ ۱۱,۸۹۳۸۷ ۔ ایکڑ

جبکہ نواب شاہ ضلع میں ۱۹۱,۷۸,۴۴ ۔ ایکڑ رقبہ پر دیہات نہریں، سڑکیں ہیں۔

گذشتہ سال ۱۹۷۷ء کے دوران ضلع میں ۱۵۹,۹۰,۴ ۔ ایکڑ پر خریف کی فصل کاشت ہوئی جبکہ ربیع کی فصل ۵,۳۳,۲۴۶ ۔ ایکڑ رقبہ پر کاشت ہوئی نواب شاہ ضلع میں گزشتہ سال خریف اور ربیع کی فصلیں جس رقبہ پر کتنے ایکڑ رقبہ پر کاشت ہوئیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے

گندم کی فصل ۳,۹۹,۰۷۳ ۔ ایکڑ

کپاس کی فصل ۲,۴۲,۴۹۱ ۔ ایکڑ

سرسوں کی فصل ۴۷,۶۸۵ ایکڑ

گنے کی فصل ۶۶,۱۶۳ ایکڑ

دھان کی فصل ۲۵,۳۵۲ ایکڑ

چنے کی فصل ۶,۹۷۳ ایکڑ

گذشتہ سال ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران نوابشاہ ضلع سے مالیانے آبیانے زرعی ٹیکس و مسجد ٹیکس لوکل ٹیکس و دیگر محاصل کی مد میں جو رقم حاصل ہوئی اس کی تحصیل وار تفصیل یہ ہے۔

نواب شاہ تعلقہ سے ۱,۰۳,۵۰,۰۶۶ روپے

سکرنڈ تعلقہ سے ۴۳,۵۰,۱۵۲ روپے

مورو تعلقہ سے ۴۸,۲۱,۶۶۳ روپے

نوشہرو فیروز تعلقہ سے ۵۵,۲۷,۴۰۰ روپے

کنڈیارو تعلقہ سے ۳۲,۵۲,۳۰۶ روپے

اسی طرح نوابشاہ ضلع میں مختلف زرعی محاصل کی مد میں گزشتہ سال جو رقم حاصل ہوئی وہ ۲,۸۴,۱۵,۸۷ روپے تھی نواب شاہ ضلع میں مالیانے کی شرح مختلف مقامات پر مختلف ہے کہیں سات روپے فی ایکڑ کے حساب سے مالیانہ وصول کیا جاتا ہے اور کہیں دو روپیہ اور تین روپے کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے اس طرح نواب شاہ ضلع میں مالیانے کی اوسط شرح پانچ روپے فی ایکڑ بنتی ہے لہٰذا حکومت کی آمدنی نوابشاہ ضلع کی ۱۱,۸۹,۳۸۷ ایکڑ زمین پر پانچ روپے فی ایکڑ کے حساب سے ۵۹,۴۶,۹۳۵ روپے بنی جو کہ حکومتِ وقت نے نیا زرعی نظام عشر نافذ کرکے نہایت فراخدلی سے زمینداروں کو معاف کردی واضح رہے کہ یہ رقم صرف زمین کے مالکان سے وصول کی جاتی تھی۔ اب آئیں اور دیکھیں کہ حکومت کو نوابشاہ ضلع سے عشر کی مد میں کتنی رقم حاصل ہوگی نواب شاہ ضلع میں ۳,۹۹,۰۷۳ ۔ ایکڑ پر گندم کاشت ہوئی جس سے ۲۰ من فی ایکڑ کے حساب سے عشر کی مد میں ۳,۹۹,۱۰۰ من گندم حاصل ہوئی جس کی قیمت ۶۰/- روپے فی من کے حساب سے ۲,۳۹,۴۶,۰۰۰ روپے ہوئی اس رقم میں وہ رقم بھی شامل ہے جو ہاری رضاکارانہ طور پر ادا کرے گا۔ واضح رہے کہ حکومت نے گندم کی قیمت ۴۵/- روپے مقرر کی ہے جبکہ گندم کی فصل کٹنے کے بعد گندم ۸۰ روپے من بھی فروخت ہوئی ہے۔

نواب شاہ ضلع میں کپاس ۲,۴۲,۴۹۱ ۔ ایکڑ پر کاشت ہوئی پندرہ من فی ایکڑ کے حساب سے کل ۲۶,۳۷,۳۶۵ من کپاس حاصل ہوئی پانچ فیصد کے حساب سے عشر کی مد میں ۱,۸۱,۸۶۸ من کپاس حاصل ہوگی ۲۱۰/- روپے فی من کے حساب سے عشر میں حاصل ہونے والی کپاس کی قیمت ہوئی۔ ۳,۸۱,۹,۸۴۰ روپے اس رقم میں ہاری کا حصّہ بھی شامل ہے۔

گنے کی فصل ۶۶,۱۶۳ ۔ ایکڑ رقبہ پر کاشت ہوئی ۶۰۰ روپے فی ایکڑ کے حساب سے اس رقبہ سے کل ۳,۹۶,۹۷,۸۰۰ من گنا حاصل ہوا جس میں سے پانچ فیصد کے حساب سے عشر کی مد میں ۳۴,۸۴,۸۹۰ من گنا حاصل ہوا پانچ روپے ۹۰ پیسے فی من کے حساب سے عشر کی مد میں ۲,۰۵,۶۰,۸۶۱ روپے حاصل ہوئی واضح رہے کہ آئندہ سال گنے کی قیمت میں دو روپے فی من کے حساب سے اضافہ ہونے کی توی توقع ہے۔

دھان کی فصل ۲۵,۳۵۲ ایکڑ رقبہ پر کاشت ہوئی ہے ۳۰ من فی ایکڑ کے حساب سے کل ۷,۶۰,۵۶۰ من دھان حاصل ہوئی۔ ۳۰ روپے فی من کے حساب سے عشر کی رقم ۱۰,۰۵,۶۹۰ روپے ہوئی۔

سرسوں کی فصل ۴۷,۶۸۵ ۔ ایکڑ رقبہ پر کاشت ہوئی ہے پندرہ من فی ایکڑ کے حساب سے ۷,۱۵,۲۷۵ من سرسوں پیدا ہوئی جس میں سے عشر کی مد میں پانچ فیصد کے حساب سے ۳۵,۷۶۴ من سرسوں حاصل ہوئی جس کی قیمت ۱۱۰ روپے فی من کے حساب سے ۳۹,۳۴,۰۴۰ روپے ہوئی۔

چنا ۶,۹۷۳ ایکڑ پر کاشت ہوتا ہے دس من

فی ایکڑ کے حساب سے ۶۹,۷۳۰ من چنا پیدا ہوا پانچ فیصد کے حساب سے عشر کی مد میں ۳,۴۸۶ من چنا حاصل ہوا۔ ۱۵۰ روپے فی من کے حساب سے عشر کی رقم ۵,۲۲,۹۰۰ روپے ہوئی

اس طرح عشر کی مد میں حکومت کو مختلف فصلوں سے جو آمدنی ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے

گندم	۲۳,۹۴,۶۰۰	روپے
کپاس	۳۸,۱۹,۰۸۴۰	"
گنا	۲,۰۵,۶۰,۸۸۱	"
سرسوں	۳۹,۳۴,۰۴۰	"
دھان	۱۰,۰۵,۶۹۰	"
چنا	۰۵,۲۲,۹۰۰	"
ٹوٹل:-	۳,۲۲,۳۷,۹۳۱	روپے

عشر کی اس رقم میں نواب شاہ ضلع کے ہاریوں کو رضاکارانہ طور پر ۱,۶۱,۱۸,۹۶۵ روپے ادا کرنا ہوں گے۔ جبکہ زمینداروں کو بھی عشر کی مد میں اتنی ہی رقم سرکاری خزانہ میں جمع کرانا ہوگی۔ زمینداروں کو عشر کی اس رقم کے عوض مالیہ کی رقم ۵۹,۴۶,۹۳۵ روپے کی معافی بھی دی گئی ہے۔ جبکہ ہاریوں کے ساتھ اس قسم کی کوئی رعایت نہیں اس طرح اگر کل رقم میں سے مالیہ کی رقم کم کر دی جائے تو بھی نواب شاہ ضلع کے زمینداروں کاشتکاروں کو عشر کی مد میں ۲,۰۲,۹۰,۹۹۶ روپے کی زائد رقم ادا کرنا پڑے گی۔ اس حساب سے حکومت کو عشر کے نظام میں فائدہ پہنچے گا اس نظام کے تحت اگر نقصان پہنچے گا تو وہ صرف غریب ہاری اور کسان ہوں گے جنہیں اپنے حصہ میں سے ۱,۶۱,۱۸,۹۶۵ روپے خرچ کرنا ہوں گے۔ زمیندار کی بیگار اس کے مہمانوں کے اخراجات اس کے علاوہ ہوں گے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے ہاریوں اور کسانوں کو عشر کی مد میں کس قدر رقم رضاکارانہ طور پر ادا کرنا ہوگی۔ نواب شاہ کے ہاری اور کسان اس وقت سے سہمے جا رہے ہیں جب عشر کی یہ رقم ان سے بھی مالیہ کی طرح سرکاری طور پر پٹواری وصول کریگا اس وقت پاکستانی ہاری کسان پوری طرح پٹواری کے شکنجہ میں ہوگا اس وقت ہاری کو اپنے زمیندار کے ساتھ ساتھ پٹواریوں کے ظلم بھی برداشت کرنا ہونگے کیونکہ موجودہ حکومت کی یہی مرضی ہے۔

*

اقتدار کا انجن قابو میں نہ رہا

تو ہر شے سفر بن جائے گی

ظفر قریشی

"۔۔ عالم دین نے انکشاف کیا کہ ایرانی قید خانوں میں منشیات کا کاروبار عام ہے اور بادشاہ کی بہن اشرف پہلوی کی نگرانی میں چلتا تھا جو لوگ اس کاروبار میں رقیب کی حیثیت رکھتے تھے انہیں بھی عدالتی تعاون سے ختم کر دیا جاتا تھا تاکہ شہزادی اشرف کا کاروبار متاثر نہ ہو۔ شہر کے کئی قمار خانے جن میں ریس کلب بھی شامل تھا، بادشاہ کے بھائیوں کی زیر نگرانی چل رہے تھے۔ گھوڑوں کی ریس کیلئے ایک عالم دین سے یہ فتوی بھی حاصل کر لیا گیا تھا کہ اسلام میں ایسے تمام مقابلوں میں شرط لگانے کی اجازت ہے جن کا تعلق فن حرب سے ہو اور اس میں گھوڑوں کی دوڑ، نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر زنی کے علاوہ جوڈو کراٹے بھی شامل ہیں۔ مختلف کاروباروں میں شاہی خاندان کے لوگوں کو اجارہ داری حاصل تھی۔

(ڈاکٹر یاسین رضوی کی کتاب "ایران، آریا مہر سے آیت اللہ تک" سے ایک اقتباس)

یہ کیا بات ہوئی کہ "ہمارا اور ہماری اولاد کا احترام کرو"

آئیڈیل سیاسی صورتحال دنیا کے کسی ملک میں نہ کبھی تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی لیکن قومیں وہ ترقی کرتی ہیں جو اس آئیڈیل کی جستجو میں رہتی ہیں۔ دوسروں سے اور اپنے تجربات سے سبق سیکھتی ہیں جس کے نتیجے میں وہ ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسی نہیں جاتیں۔ ایسی قومیں زندہ قومیں کہلاتی ہیں اس کے برعکس جو قومیں اپنے اور دوسری قوموں کے تجربات سے کچھ نہیں سیکھتیں ان کے حشر کی کبھی کسی نے ضمانت نہیں دی۔

قوموں کی طرح افراد کی بقاء کا دار و مدار بھی اسی کلیئے پر ہے کیونکہ افراد کا مجموعہ قوم تشکیل دیتا ہے جب یہ نوبت

لگے کہ کیا کیا جائے۔ آوے کا آوا ہی بگڑ چکا ہے۔ تو افراد من حیث القوم سوچنے لگتے ہیں کہ اس ابتلا کا علاج کیا ہو۔ اور اس کے بعد وہ کچھ ہوتا ہے جو ایران میں ہوا اور ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں پاکستان کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ یہاں من حیث القوم افراد کو ان مشکلات سے نہیں گزرنا پڑا جن سے ایرانی گزرے۔ مشکلات اور مصائب جب پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیں اور ہر گھر متاثر ہو جائے تب سیاسی و سماجی نظام کی بنیادی تبدیلی کے لئے افراد اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں۔ اس عمل میں عوام کو اگر [illegible] حاصل ہو جائے تو بڑے بڑے [illegible] طرح مضبوط نظر آتے ہیں، ریت کے گھروندے کی [illegible]

ہو جاتے ہیں لیکن اگر عوام کو مؤثر رہنمائی نہ ملے تو وہ کچھ ہوتا ہے جو ہمارے ہاں ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے (تاہم اب آثار ایسے ہیں کہ آئندہ نہیں ہوگا) یعنی یہ کہ جب لوگ بڑی تعداد میں ایک چہرے سے بیزار ہو جائیں تو نوکر شاہی اس چہرے کو ہٹا دیتی ہے اور اس کی جگہ نئے نعروں سے لیس نئے چہرے کو فٹ کر دیتی ہے جو آتے ہی نئے سبز باغ دکھاتا ہے جوڑ توڑ کرتا ہے اور سازشوں، دھونس اور دھاندلی کے نئے نئے حربوں سے حکومت شروع کر دیتا ہے۔ سابقہ دور "تاریک ترین" دور قرار پاتا ہے اور سابقہ دور کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے والے اگر اس کی حمایت کرنے لگیں تو ان کی تمام خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور وہ لوٹ کھسوٹ کا نیا لائسنس ملنے پر نئے حکمران کے حلیف بن جاتے ہیں۔

جب تک پرانے چہرے کو ہٹانے کی مہم چلتی ہے نام نہاد حزبِ اختلاف کے رہنما اس میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اور جب نیا حکمران گدی سنبھال لیتا ہے تو وہ عوام کے دھارے سے کٹ کر مراعات یافتہ طبقے میں شامل ہو جاتے ہیں اور کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کی بنیاد پر اسے دوام بخشنے میں معاونت کرتے ہیں۔ عوام میں آکر دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں اور حکمران کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑتے ہیں۔ اسی قبیل ہی کے سیاسی رہنماؤں کے لئے کسی حاکم نے کہا تھا کہ ایک سیٹی پر وہ کتوں کی طرح دم ہلاتے ہوئے میرے قدموں میں لوٹنے لگیں گے۔ اس ملک میں جتنے حاکم دیکھے ہیں کیا ہر دور میں یہ فریب نہیں دہرایا گیا۔ کیا لوگ ایوب خان کے بھائی بہادر خان کو بھول گئے جو اس کی حزبِ اختلاف کا لیڈر تھا یہی ولی خان، یہی مزاری اور یہی مفتی محمود اس زمانے میں اس کے پیچھے تھے حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بہادر خان کی حقیقت کیا ہے۔ آج اگر سردار مزاری اور دیگر رہنما اپنے آپ کو موجودہ حزبِ اختلاف میں شامل قرار دیتے ہیں تو کیا محض ان کے قول سے ان کے دعوے پر یقین کیا جا سکتا ہے؟

نہیں جناب! بات اصولوں کی ہے۔

جو سیاسی رہنما اصولوں کو ترک کر کے اپنی دکان چمکانے کی کوشش کرے گا اس کی حیثیت یہی ہوگی کہ ایک سیٹی پر اسے دم ہلاتے ہوئے جانا ہوگا اور حکمران کے قدموں میں عافیت ڈھونڈنی ہوگی۔ اس سے ممکن ہے کہ وقتی طور پر اسے کچھ ذاتی فائدہ ہو جائے لیکن قوم اس وسیع فائدے سے محروم رہے گی جو ایک اصول پر اس کے ڈٹ جانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج مزاری اور دیگر سیاسی رہنماؤں کو کسی دوسری سیاسی جماعت کے کارکنوں کی پشت پر برسائے جانے والے کوڑے یا ان پر روا رکھی جانے والی قید و بند کی صعوبتیں نظر نہ آ رہی ہوں لیکن انہیں بھولنا نہیں چاہئے کہ اقتدار سڑک کوٹنے والا ایسا انجن ہوتا ہے جو روڑوں کو یکے بعد دیگرے دباتا چلا جاتا ہے اگر یہ انجن قابو میں نہ رہے تو اس کے راستے میں آنے والی ہر چیز سرمہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے بے قابو ہونے سے بچانے اور اس سے مثبت اور مؤثر کام لینے کی غرض سے قومیں ادارے تشکیل دیتی ہیں جو تربیت یافتہ عملہ فراہم کرتے ہیں بصورتِ دیگر اس ملک میں منتخب ہو کر آنے والے دو سویلین وزراء اعظم کا جو حشر ہوا ہے کیا اس کے بعد کوئی اور ذی شعور ذی ہوش اور قومی خدمت کے جذبے سے سرشار سویلین سیاسی رہنما یہ عہدہ سنبھالنے کا حوصلہ کرے گا؟ یہ مطالبہ کرنا بہت آسان ہے کہ فلاں وزیراعظم آمر بن گیا تھا اس لئے اس تجربے کے پیش نظر وزیراعظم کے اختیارات محدود ہونے چاہئیں جناب والا ــــ آمر تو گورنر جنرل غلام محمد بھی بن گیا تھا، اسکندر مرزا بھی بن گیا تھا اور ایوب و یحییٰ خان بھی جو حکومت سے ہٹنے کے بعد غاصب قرار دیئے گئے تھے۔ مذکورہ افراد کے دورِ حکومت میں تو کسی نے ان کے اختیارات کم کرنے کی بات نہیں کی تھی۔ سب دم سادھے پڑے تھے اور سرکاری ملازمین، نوکر شاہوں یا عوام کے خادموں کو عنانِ اقتدار دینے کے بعد ان کے لئے زیادہ تواتر کے ساتھ مملکت کی سیاست میں مداخلت کا آئینی جواز فراہم کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ دنیا کے جمہوری ملکوں کی سیاسی روایات دیکھی جائیں تو یہ تجویز مضحکہ خیز نظر آتی ہے اور اپنے ان سیاسی رہنماؤں کی فہم و فراست پر افسوس ہوتا ہے جو اپنی تھوڑی سی آسائش کے لئے پوری قوم کو وردی پوشوں کے پاس ہمیشہ گروی رکھوانے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں کیا رہنما ایسے ہوتے ہیں کہ جس قوم کی رہنمائی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اسے ہی پابہ سلاسل کر دیں؟ جی ہاں! آج کی معروضی صورتحال میں آپ کو ہمارے بیشتر سیاسی رہنما ایسے ہی دکھائی دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک شخص کا سیاسی سطح پر مقابلہ نہیں کر سکے اور اب سازشوں کے ذریعے، جوڑ توڑ کے ذریعے اور دھونس و دھاندلی کے ذریعے ایسا انتظام کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیشہ بندوق کی نال کے سائے میں بیٹھ سکیں یعنی مکمل سویلین حکومت یا مکمل فوجی حکومت کے درمیان جو ــــ امتیاز ہوتا ہے اسے بھی ختم کر دیں حکومت وردی پوشوں کی ہو اور وہ ان کے محبوب خادموں کی طرح کاروبارِ حکومت کی انجام دہی میں ہاتھ بٹاتے رہیں۔ انگریزی میں اسے باہمی مفادات کی شادی کہا جاتا ہے۔ اس شادی سے انہیں یہ فائدہ ہوگا کہ مملکت کے وسائل میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ تیل کے اگر کنویں دریافت ہوں گے تو ایک کنواں تو سیدھے سیدھے وردی پوشوں کی فلاح و بہبود کے لئے الاٹ ہو جائے گا اور بقیہ میں یہ حصے بخرے کر لیں گے۔

نہیں بزرگو ــــ یہ دھاندلی ہے اور دھاندلی زیادہ عرصہ نہیں چلتی۔ ملک کے ایک بازو میں دھاندلی کے نتائج پوری قوم نے دیکھے ہیں اگر اس بچے کھچے حصے میں بھی یہی دھاندلی برقرار رکھی گئی (اور واقعات بتاتے ہیں کہ دھاندلی برقرار ہے) تو سب کا خدا حافظ و ناصر ہے۔ دھاندلی کا ذکر آیا ہے تو بلوچستان کے میڈیکل کالج میں نشستوں کی تقسیم کے فارمولے پر بھی ایک نظر ڈالئے۔ ایک سو نشستیں مقامی آبادی کے لئے اور پندرہ نشستیں وردی پوشوں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ امتیاز کیوں ہے؟ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ آپ کا ہے۔ وردی پوشوں میں اکثریت آپ کی ہے۔ اپنے صوبے میں آپ اپنا حصہ تو لیتے ہی ہیں پھر بھی ادھر ادھر ہاتھ مارنا آپ کو کہاں تک زیب دیتا ہے۔ اپنی اولاد سب کو یکساں طور پر عزیز ہوتی ہے اور سب یکساں طور پر اپنی اولاد کا مستقبل سنوارنا چاہتے ہیں مگر یہ کیا تماشہ ہے کہ پوری قوم سے کہا جائے کہ ہمارا اور ہماری اولاد کا احترام کرو، ورنہ ہم زبردستی بھی کر سکتے ہیں اور توپ و تفنگ کے ذریعے چھین سکتے ہیں۔

سردار مزاری کی قبیل کے سیاسی رہنماؤں سے گزارش ہے کہ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ فلاں کو اس کے کئے کی سزا مل رہی ہے، مگر انہیں نہیں بھولنا چاہئے اس طرح وہ اپنے آپ کو کمزور کر رہے ہیں کہ آج وہ ہے، کل آپ کی باری ہے۔ فی الحال آپ ذرا ان سوالوں پر غور تو کیجئے۔

۱: موجودہ دور کی کس تہذیب میں سیاسی رہنما احتساب کو انتخاب پر ترجیح دیتے ہیں؟

۲: سیاسی رہنما ہونا اور عوام کے مسائل کو سمجھنا اور ان کے حل کی کوشش کرنا زیادہ ارفع چیز ہے یا کسی کے سیٹی بجانے پر دم ہلاتے ہوئے جانا اور قدموں پر گر جانا؟

۳: مخالف سیاسی رہنماؤں کو (ان کی مبینہ بدعنوانیوں سے قطع نظر) سرکاری ملازموں کے سامنے پابہ زنجیر کر کے پورے سیاسی عمل کو بدنام کرنے میں فریق بننا کہاں تک جائز ہے؟

۴: ایک سیاسی رہنما سے اختلاف رائے پر پوری قوم کو داؤ پر لگانا کس حد تک درست ہے؟ ●●

سیف منصور

یہ بارات کس کی تھی؟

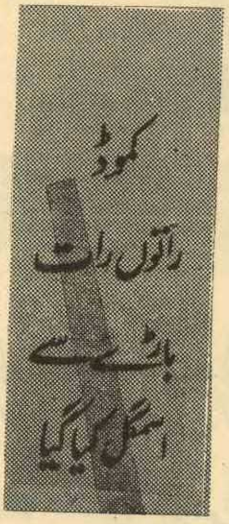

چھ اہلکار معطل کر دیے گئے

۲۱ مارچ ۹۰ء کو ایک بارات راولپنڈی سے ٹرین پر سوار ہوئی۔ اس روز لوگوں نے دیکھا کہ اس ٹرین کی حالت قدرے تبدیل شدہ تھی آپ بھی ملاحظہ فرمایئے گا۔

۱: تمام سینیئر اسٹاف ریلوے، اس ٹرین کے ہمراہ تھا۔ اور اس اسٹاف کی اسپیشل وردیاں دو دنوں کے نوٹس پر بنوائی گئی تھیں۔

۲: اس ٹرین کے ساتھ چار ایئر کنڈیشنڈ بوگیوں کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بوگی نمبر ۴، اور ۵، بھی تھی جو سابق وزیر اعظم نے رابطہ عوام کے لئے تیار کروائی تھی۔ اور اس روز یہ بوگیاں دو دلوں کے درمیان رابطہ قائم کروانے جا رہی تھیں۔

۳: روانگی سے ایک روز قبل شنٹنگ کے دوران متذکرہ بوگی کا کموڈ ٹوٹ گیا۔ اس کوتاہی پر متعلقہ چھ اہلکاروں کو معطل کر دیا گیا۔ کموڈ اسی رات باڑے سے سرکاری جیپ کے ذریعہ ساڑھے آٹھ ہزار روپے خرچ کر کے اسمگل کیا گیا۔ عام حالات میں اس کی قیمت تین ہزار روپے ہے۔

۴: ٹرین کے ساتھ گارڈ کی اگلی بریک، حویلیاں سے لگنے والی بوگی اور ڈاک کی سرخ بوگی نہ تھی حالانکہ اس ٹرین کے ساتھ شروع دن سے ڈاک کے لئے بوگی لگتی ہے۔

۵: اس ٹرین کے ساتھ دو انجن لگائے گئے تھے ایک آگے اور ایک پیچھے، اس کے علاوہ دو انجن پائلٹ کے طور پر آگے آگے جا رہے تھے۔ پائلٹ انجن آدھ آدھ گھنٹہ کے وقفہ سے گزرے۔

۶: راولپنڈی سے گوجرانوالہ تک تمام ریلوے پھاٹک دو دو گھنٹے کے لئے بند رہے۔ ایک شہر کے اسٹیشن کے قریب پھاٹک پر اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کو کھڑا کیا گیا تھا۔

۷: ملتان سے راولپنڈی تک ریلوے لائن پر خصوصی نگرانی کے لئے عملہ کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔

۸: گوجرانوالہ ریلوے اسٹیشن کے متصل مکانوں پر پولیس کی مسلح گارد متعین تھی، سپاہی مالکان مکان سے پوچھے بغیر زبردستی چھتوں پر چڑھ گئے۔ غالباً چادر اور چار دیواری کی حفاظت کا یہی تقاضا ہوگا۔

۹: وزیر آباد سے اس بارات میں ایک ریلوے ملازم کے اہل خانہ شریک ہوئے۔ اس ریلوے کے ملازم نے حمزہ اینڈ کمپنی کے فرضی نام سے لاہور ڈویژن کے تمام اسٹیشنوں پر سوڈا واٹر سپلائی کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

وزیر آباد سے ہی بارات کی خاطر تواضع کے لئے میراثی عورتیں گانے بجانے کے سامان سمیت سوار ہوئیں۔ سنا ہے کہ ان عورتوں کا انتظام ایک اعلیٰ عہدیدار کے "ماموں جان" نے کیا تھا۔

۱۰: راولپنڈی اور ملتان کے درمیان اس روز کے لئے ایئر کنڈیشنڈ بوگیوں کی پہلے سے ہوتی والی تمام ریزرویشن عین وقت پر منسوخ کر دی گئی۔ تمام اسٹیشنوں پر لوگوں کو بہت ذلیل و خوار ہونا پڑا۔ ان بیچاروں کا وقت بھی ضائع ہوا اور ذہنی پریشانی بھی بھگتنا پڑی۔

۱۱: اپ اور ڈاؤن تمام ٹرینوں کو لاہور سے باہر روک دیا گیا۔ اس ٹرین کے لاہور سے روانہ ہونے کے بعد ٹرینوں کو داخل ہونے کی اجازت ملی۔ لالہ موسیٰ سے صبح سوا سات بجے لاہور پہنچنے والی ٹرین کو پونے دس بجے لاہور داخل کیا گیا۔ لالہ موسیٰ ٹرین کو صبح تقریباً دو گھنٹے شاہدرہ میں روکا گیا۔ یہی حالت دوسری لائنوں پر ہوئی۔ اور مضافات سے آنے والے سرکاری ملازمین ساڑھے دس بجے اپنے دفتروں میں پہنچے۔

۱۲: ریلوے کے قواعد کے مطابق اس ٹرین کا انجن لاہور میں الگ کرنا ضروری تھا۔ تاکہ یہاں سے الیکٹرک انجن لگایا جا سکے۔ مگر اس روز انجن تبدیل نہیں کیا گیا مبادا گاڑی لیٹ نہ ہو جائے یا راستہ میں بجلی بند ہونے کی وجہ سے الیکٹرک انجن بند ہو جائے۔ ایسی صورت میں بارات کے لیٹ ہو جانے کا خدشہ تھا۔

۱۳: ساہیوال پہنچنے پر شمع سینما کے مالکان کی طرف سے بارات کے ایک خاص آدمی کو پھولوں کے گلدستے پیش کئے گئے۔

۱۴: ملتان میں اس ٹرین کا استقبال کیا گیا۔

قارئین! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس روز راولپنڈی سے ملتان بذریعہ خیبر میل جانے والی اور اگلے روز عوام ایکسپریس میں واپس آنے والی بارات کس کی تھی ــــــ؟ ●

مصر اسرائیل معاہدہ امن

سادات نے مصری عوام کو ذلّت اور رسوائی کا تحفہ دیا

اس نے بھائیوں کو چھرا گھونپا اور دشمن کی گود میں بیٹھ گیا

شبیہ الحسن

کارٹر مشرق وسطےٰ میں مرحلہ وار سمجھوتہ کے سب سے بڑے نکتہ چیں تھے۔ ان کی رائے تھی کہ ایک وسیع، مربوط اور ٹھوس سمجھوتہ ہونا چاہئیے لیکن ایران میں شاہ کا دھڑن تختہ ہونے کے بعد کارٹر نے مشرق وسطےٰ کے تصفیہ کے لئے بھاگ دوڑ کی وہی ڈپلومیسی اختیار کی جس پر وہ تنقید کی تیز چھری چلاتے تھے اور اس کے نتیجے میں وہ عربوں کے بدترین دشمن اسرائیل اور مصر کے درمیان ایک سمجھوتہ کرانے میں کامیاب ہو گئے جس کے بارے میں مصر کے سوا باقی تمام عرب ممالک نے اسے عربوں کے مفادات سے غدّاری کا نام دیا ہے۔ اس واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ مشرق وسطےٰ میں امریکی بلاک سے تعلق رکھنے والے دو ممالک سعودی عرب اور اردن نے بھی اس سمجھوتے پر اپنی ناپسندیدگی کے جذبات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ تاہم امریکہ کی جانب سے ان دونوں ملکوں کو رام کرنے کی کوششیں سفارتی سطح پر جاری ہیں۔ یہ سمجھوتہ کس حد تک عربوں کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت بن سکتا ہے

اس کا اندازہ کارٹر کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ امریکہ کسی ایسے معاہدے کی ہرگز حمایت نہیں کر سکتا جس سے اسرائیل کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو۔ یہ اعلان اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ امریکہ تل ابیب کی توسیع پسندی کے پروگرام میں ساجھے دار اور اس کے مفادات کا محافظ ہے۔

ایران کے حالیہ واقعات کے پیش نظر اسرائیل اور مصر کے سمجھوتے کی ضرورت بڑھ گئی تھی۔ مشرق وسطےٰ میں امریکہ کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت اور خود بھی کارٹر کے ذاتی وقار کو عارضی طور پر بچانے کا واحد طریقہ یہی رہ گیا تھا کہ امریکہ کا صدر مصر اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ کرانے میں اپنا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کرے۔ یہ فیصلہ سامراجی منصوبے کا وہ مناسب حصہ ہے جس کے تحت امریکہ مشرق وسطےٰ میں اپنی پوزیشن کو مستحکم بنانے کے شدید خبط میں مبتلا ہے۔ دریں اثنا طیارہ بردار کانسٹیلیشن خلیج فارس کی جانب رواں ہے۔ واشنگٹن کے ماہرین بحر ہند میں فلیٹ کا ایک مستقل اڈہ بنانے کے منصوبے کی نوک پلک درست کرنے میں مصروف ہیں اور جس کی ذمہ داری فی الحال پانچویں بحری بیڑے کو سونپ بھی دی گئی ہے۔ ایسے عرب ملکوں کو سبق سکھانے، رجھانے اور رام کرنے کی کارروائیاں تیز کر دی گئی ہیں جو امریکی منصوبے اور اسرائیل مصر سمجھوتے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ جنوبی یمن میں حالات کو پیچیدہ بنانے کے لئے شمالی یمن میں فوجی طیارے، بکتر بند گاڑیاں، ٹینک اور فوجی مشیر بھیجنے کا عمل جاری ہے۔

مصر اور اسرائیل کے درمیان معاہدے میں عجلت کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ ایران میں انقلاب کے بعد اسرائیل کو تیل کی ترسیل بند ہو گئی ہے۔ ایران فی الوقت

اپنی قومی ضرورت کے مطابق تیل پیدا کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے تیل کی سپلائی پر بعض کڑی شرائط بھی عائد کی ہیں اس نے تیل کی قیمت نقد کی صورت میں وصول کرنے کے علاوہ یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ ایسے ملکوں کو تیل ہرگز سپلائی نہیں کریگا جو ایرانی انقلاب اور عربوں کے دشمن ہیں۔ اس قسم کی صورتحال اور اعلانات سے امریکہ اور اس کے حاشیہ بردار اسرائیل کے سامنے واحد راستہ رہ گیا تھا کہ وہ مصر سے سمجھوتہ کرکے تیل کی ضرورت سینائی کے کنوؤں سے پوری کرے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں سینائی میں امریکہ کے دو فوجی اڈوں اور حیفہ کے قریب اس کے بحری اڈے کو آسانی سے تیل ملتا رہے گا اس کے عوض امریکہ مصر کو نقصان پورا کرنے کے لئے کروڑوں ڈالر کی امداد دے گا۔ مزید برآں امریکہ نے مصر سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ آئندہ پانچ سالوں کے دوران اسے سالانہ ــــ ملین ڈالر کی امداد دے گا۔ دوسری جانب امریکہ اسرائیل کو بھی ملین ڈالر امداد دے گا۔ یہ امریکہ کی جانب سے خطیر رقم کا کرشمہ ہے کہ مصر عرب ملکوں سے کٹ کر عربوں کے بدترین دشمن اسرائیل سے نہ صرف یہ کہ سمجھوتہ کیا بلکہ کھلم کھلا یہ اعلان کیا کہ وہ مشرق وسطےٰ میں امریکی پولیس مین کا کردار ادا کرنے پر تیار ہے۔ غیر جانبدار مبصرین کا خیال ہے کہ مصر کے صدر سادات نے شاہ ایران سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ انہوں نے معزول شاہ کی طرح معاہدہ کے لئے وقت کا غلط انتخاب کرکے اپنی تباہی پر خود اپنے ہاتھوں سے مہر ثبت کردی۔

فلسطینیوں کے نزدیک اس معاہدہ کی کیا اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب کارٹر نے مصری پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے اپیل کی کہ معاہدے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے فلسطینی نمائندے شرکت کریں تو نبلس اور لبام شاقہ کے میئر تک نے اس اعلان کو ایک فریب قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہماری نمائندگی کا حق صرف اور صرف پی ایل او کو حاصل ہے۔ اس سمجھوتے پر روس کے ایک سیاسی مبصر ولادی میر سمیونوف کا یہ ریمارک بڑا اہم ہے جس میں انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۶ء میں ایک دہشت پسند مینم بیگن نے بیت المقدس کے ایک ہوٹل

اسرائیل دشمنی
اسرائیل دوستی میں بدل رہی ہے

پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان اسرائیل کے وجود کو عربوں اور دیگر مسلم ممالک کے خلاف ایک گہری اور گھناؤنی سازش قرار دیتے تھے۔ جب وہ پہلی بار شاہ فاروق کی دعوت پر قاہرہ پہنچے تو انہوں نے ایئرپورٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسرائیل ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ پاکستان اسرائیل کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرے گا۔ اگر عرب ملکوں نے اس کو تسلیم بھی کرلیا جب بھی پاکستان اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کرے گا۔"

پاکستان کے دوسرے منتخب وزیر اعظم جناب بھٹو اسرائیل کے کٹر مخالف، عربوں اور فلسطینیوں کے پرجوش حامی تھے۔ انہوں نے اقتدار سے باہر اور اندر اپنے بیانات تقاریر، انٹرویوز اور تصانیف کے ذریعہ فلسطینی کاز کی سرگرم وکالت کی جس پر اسلامی سربراہ کانفرنس کے دوران پی ایل او کے رہنما جناب یاسر عرفات نے زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں فلسطینیوں کا بڑا اعتماد اور نڈر رفیق قرار دیا تھا۔ جناب بھٹو نے ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ کے دوران عربوں کی مادی اور فوجی امداد بھی کی جس کی بنا پر امریکہ اور اسرائیل نے انہیں اپنا بدترین دشمن قرار دیا۔ انہوں نے اسرائیل کی بڑھتی ہوئی فوجی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے لیبیا اور سعودی عرب کے شاہ فیصل کی مالی امداد سے نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ اور بحری بیڑے کی تیاری کا منصوبہ بھی تیار کیا تھا۔ لیکن شاہ فیصل کی شہادت اور مسٹر بھٹو کی غیر قانونی حکومت کی برطرفی کے سبب اس عظیم اور تاریخی منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے قبل ہی روک دیا گیا۔

پاکستان کے دونوں منتخب وزراء اعظم کو اسرائیل دشمنی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ ایک کی شہادت کے بعد دوسرے کے خاتمے کی تیاریاں جاری ہیں۔

اسرائیل اور مصر کے درمیان ہونے والے موجودہ معاہدے کو دنیائے عرب نے نفرت اور حقارت سے مسترد کردیا ہے خاص طور پر مصر کے صدر سادات ہدف ملامت ہیں کیونکہ وہ عظیم قوم پرست رہنما ناصر کے جانشین ہیں، جن کی سامراج اور اسرائیل دشمنی ضرب المثل بن چکی ہے۔ ایک طرف بغداد میں عرب ملکوں کی کانفرنس میں مصر کے اقتصادی بائیکاٹ کا مسئلہ زیر غور ہے۔ دوسری طرف پاکستان کی فوجی حکومت مصری صدر کو کینو کا "ملاحتی تحفہ اور ثقافتی طائفہ بھیج کر یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہی ہے کہ وہ اس مسئلہ پر مصر کے ساتھ ہے۔ ہوسکتا ہے سادات کو پاکستان کے کینو اور ثقافت کا ذائقہ پسند آجائے لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ فلسطینیوں کا منہ کڑوا ہو جائے۔

مصر اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے معاہدے پر پاکستان کے محکمہ خارجہ کی جانب سے جو بیان جاری کیا گیا ہے اس میں ایک جانب تو مشرق وسطےٰ میں پائیدار امن کے لئے مجموعی سمجھوتہ پر زور دیا گیا لیکن ساتھ ہی متن کے درمیان میں جو ڈنڈی ماری گئی ہے اسے سیاست اور سفارت پر گہری نگاہ رکھنے والے آسانی سے نظر انداز نہیں کرسکتے۔ کہا گیا ہے۔

" صدر کارٹر کی پہل اور صدر امریکہ کے ذاتی ــــ اثر و رسوخ کے نتیجے میں مصر اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدے کی رسمی کارروائیاں مکمل ہوچکی ہیں لیکن اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عرب اسرائیل تنازعہ کے بنیادی مسائل تصفیہ پا گئے۔ مزید کہا جاسکتا ہے کہ پائیدار امن کی ضروری شرائط پوری کردی گئی ہیں۔" (روزنامہ جنگ)

غور کیا آپ نے مجموعی تصفیہ، پائیدار امن، مقبوضہ علاقوں کی واپسی اور فلسطینیوں کے قومی حقوق دیئے جانے کے خود اپنے مطالبے کو یہ کہہ کر تارپیڈو کردیا گیا کہ " اس معاہدے سے پائیدار امن کی ضروری شرائط پوری کردی گئیں۔ اصل مقصد کی بات لاکھ گھما پھرا کر کی جائے، اہل نظر پر ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ پاکستان کا کہنا ہے کہ پائیدار امن کی ضروری شرائط پوری کردی گئیں جبکہ فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم پی ایل او اور عرب ممالک اس معاہدے کو مشرق وسطےٰ میں ایک نئی جنگ کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔ [redacted]

کنگ ڈیوڈ میں دھماکہ کیا تھا اور ۱۹۷۹ء میں اسرائیل کے وزیر اعظم مینم بیگن نے اسی ہوٹل میں اپنے نئے "فریقوں" کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن کی امید کا ایک معاہدے ذریعہ دھماکہ کرنے کا اہتمام کیا۔

گزشتہ ستمبر میں ہونے والے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کو امریکی اخبارات اور پروپیگنڈہ مشینری نے، کارٹر کی ذاتی کوششوں کا کامیاب نتیجہ قرار دیا تھا۔ اعلان کیا گیا تھا کہ اس کے دوسرے مرحلہ میں یعنی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۸ء میں مصر اور اسرائیل کے درمیان ایک "مکمل" اور "پائیدار" سمجھوتہ طے ہو جائے گا۔ مگر تین ماہ گزرنے کے باوجود مکمل سمجھوتہ کے آثار ڈوبتے نظر آئے، اور مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسی اور سادات کا مستقبل تاریک ہونے لگا تو کارٹر نے دوبارہ بہ نفس نفیس پیش قدمی کی۔ درمیانی وقفے میں انہیں اتنی مہلت مل گئی کہ وہ اپنے چیلوں کو یہ سبق پڑھانے میں کامیاب ہو گئے کہ اگر ان کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تو مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا کردار معدوم ہو جائے گا۔ اسرائیل اور مصر کے صدر سادات کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا اور اس کے نتیجہ میں سوشلسٹ بلاک کے اثرات بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ سے کم و بیش تین ماہ بعد کارٹر اسرائیل اور مصر کے درمیان ایک ایسا نام نہاد معاہدہ کرانے میں کامیاب ہو گئے جس کے بارے میں عام تاثر عربوں کے وسیع مفادات سے غداری ہے۔ مصر میں معاہدے پر دستخط ہونے سے بہت پہلے حفاظتی اقدامات سخت کر دیئے گئے۔ اہم مقامات، تنصیبات اور سرکاری ٹھکانوں پر فوجی دستے اور پولیس کے مسلح افراد تعینات کر دیئے گئے۔ سادات کو اس بات کا احساس تھا کہ اس معاہدے کو فلسطینی اور عرب تسلیم نہیں کریں گے چنانچہ وہ ممکنہ گڑبڑ اور ہنگاموں سے نمٹنے کے لئے پیش بندی پر مجبور ہوئے۔ اس کے باوجود مصر کے اعلیٰ حکام کے حلقوں میں معاہدے کو ایک ذلت سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ بعض اعلیٰ افسران کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کے خون اور حقوق کا سودا کر کے مصری عوام کو ذلت اور رسوائی کا "تحفہ" دیا جا رہا ہے۔

غیر ملکی مبصرین نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ پینٹاگان کے ہاتھوں سے ایرانی اڈوں کے نکلنے سے جہاں امریکی پالیسی کو نقصان پہنچا وہاں اسلحہ فروخت کرنے والی اجارہ دار کمپنیوں کو بھی بھاری منافع سے محروم ہونا پڑا۔ مختلف ملکوں کے رہنماؤں نے ایران سے امریکہ کی پسپائی کی روشنی میں اپنے تعلقات کا از سر نو جائزہ لینا شروع کر دیا۔ انہوں نے بڑی شدت سے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ امریکہ سے روابط معاہدات۔ دوستی اور اسلحہ کی خریداری کے باوجود ان کے ملکوں کے استحکام، سلامتی اور خوشحالی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ مزید برآں ان کا قومی وقار بھی بری طرح مجروح ہوتا ہے۔ یہ احساسات خاص طور پر مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں گہرے ہوتے جا رہے ہیں جن سے امریکہ کے پالیسی ساز ماہرین یقیناً بے خبر نہ ہوں گے لہٰذا ایران کے فوراً بعد مشرق وسطیٰ میں امریکہ کو ایک نوری نوعیت کے دھچکے سے بچانے کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ایک کاغذی معاہدے کے ذریعے مصر اور اسرائیل کو ایک ریشمی رسی سے باندھ دیا جائے۔

مصر اور اسرائیل دونوں امریکہ سے قریبی فوجی تعاون کے حصول میں کوشاں ہیں لیکن دونوں ملکوں کے درمیان طویل المدت مخاصمت اور امن معاہدے کی عدم موجودگی میں ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ امریکہ کی یہ کوشش تھی کہ دونوں ملکوں کے درمیان کسی نہ کسی طور پر امن معاہدہ ہو جائے تاکہ اس کی آڑ میں وہ اسرائیل اور مصر دونوں سے فوجی تعاون کا معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ ظاہر ہے ان دونوں کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو آگے چل کر اس علاقے میں پولیس مین کی ذمہ داری سونپی جائے گی۔ تل ابیب نے ایک بار پھر حیفہ کو امریکہ کے چھٹے بحری بیڑے کے اڈے میں تبدیل کرنے کا منصوبہ پیش کیا ہے جس کو بیگن نے جون ۱۹۷۷ء میں ابتدائی طور پر پیش کیا تھا اس طرح امریکہ دونوں ملکوں کے توسط سے مشرق وسطیٰ میں بھرپور طریقہ سے اپنے قدم جمانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کے مطابق امریکہ کے چھٹے بحری بیڑے کے جہاز بڑی آزادی کے ساتھ مصری بندرگاہوں پر لنگر انداز ہونے لگے ہیں اور باقاعدگی سے بحر الاحمر میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ مصر نے امریکی جہازوں کو یہ آزادی اسرائیل کے ساتھ پولیس مین بننے کے "مقابلے" کے نتیجہ میں ہی دی ہے۔ اس کا فیصلہ تو بعد میں بہتر کارکردگی کے اظہار کے بعد ہی دیا جائے گا کہ چوکیداری کی زیادہ صلاحیت کون رکھتا ہے۔ فی الوقت تو اسے آزمائشی تربیت کا نام دیا جا سکتا ہے۔

معاہدہ کیا ہے

۲۶ مارچ کو دوپہر ۲ بجے مصر اور اسرائیل کے درمیان معاہدے پر دستخط ہوئے۔ امریکہ کے صدر کارٹر نے بطور گواہ دستخط کئے۔ فلسطینی فدائین کی جانب سے کسی امکانی آپریشن کے پیش نظر خصوصی کمانڈو اسکواڈ کو تیار کیا گیا تھا امن معاہدے میں مندرجہ ذیل باتیں شامل ہیں۔

• اسرائیل سات ماہ بعد سینائی کے تیل کے کنویں خالی کرے گا۔ جواباً مصر اسے ان کنوؤں سے اسی مقدار میں تیل فراہم کرتا رہے گا جو وہ قبضہ کے دوران حاصل کرتا رہا۔

• مصر اور اسرائیل کے درمیان سفر کی پابندیاں ختم کر دی جائیں گی اور دونوں ملکوں کے درمیان تجارت شروع کی جائے گی۔

• نہر سوئز سے اسرائیلی جہازوں کو راہداری کی مکمل اجازت ہو گی۔

• اردن کے مغربی کنارے اور غزہ میں رہنے والے فلسطینی باشندوں کو داخلی خود مختاری تدریجاً دی جائے گی۔ اسرائیل کا مکمل کنٹرول رہے گا۔ ان علاقوں میں اسرائیلی فوج کی چھاؤنیاں بدستور رہیں گی۔

اس شرمناک معاہدے کو سعودی عرب اور اردن سمیت تمام عرب ملکوں نے مسترد کر دیا ہے اور ان دنوں بغداد میں تمام عرب ملکوں کی کانفرنس ہو رہی ہے جس میں مصر کے بائیکاٹ اور اسے اقتصادی امداد سے محروم کرنے کی تجاویز پر غور ہو رہا ہے۔ اس کانفرنس میں سعودی عرب اور اردن بھی شریک ہیں جن کے بارے میں عام خیال ہے کہ وہ امریکہ کے زیر اثر ملکوں کی صف میں آتے ہیں۔ بعض مبصرین نے اس بات کا بھی اشارہ کیا ہے کہ دونوں ممالک امریکہ ہی کے اشارے پر رسمی یا جعلی مخالفت کر رہے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ کسی خاص موقع پر مصر کے خلاف عربوں کے مضبوط اتحاد کو توڑا جا سکے۔ بہرحال اس مسئلے پر ہماری جانب سے کسی قسم کا تبصرہ قبل از وقت ہونے کے علاوہ موجودہ اتحاد کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہو گا۔ اس سمجھوتہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عراق اور شام کے صدر نے کہا کہ "سادات نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کئے ہیں۔ عرب علاقوں پر اسرائیل کے قبضے اور فلسطینیوں کے وطن کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا"۔

اگر اس معاہدے کا بغور جائزہ لیا جائے تو کارٹر کا وہ بیان بالکل درست معلوم ہوتا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ کسی ایسے معاہدہ کی ہرگز حمایت نہیں کریں گے جو اسرائیل کے مفادات کے خلاف ہو گا۔ کیمپ ڈیوڈ کے پہلے اور دوسرے فائنل مرحلے کے نتیجہ میں برآمد ہونے والا سمجھوتہ اسرائیل کے مفادات اور حقوق کی ٹھوس اور ناقابل تردید ضمانت دیتا ہے اسرائیل سات ماہ بعد سینائی کا علاقہ خالی کر کے دوسرے عرب مقبوضہ علاقوں پر اپنی پوزیشن مزید مستحکم بنائے گا۔ واضح رہے کہ جولان کی پہاڑیاں اور دوسرے عرب ملکوں کے علاقے اسرائیل کے قبضے میں ہیں جن کے بارے میں معاہدہ بالکل خاموش

(باقی صفحہ ۵ پر)

ابن محمود

ٹیکسٹائل ملز کے مالکان

"من" بھی سمیٹتے ہیں اور "ری بیٹ" بھی

کپاس کی قیمت سوتی دھاگے اور کپڑے کی قیمتوں کے تناسب سے مقرر کی جائے

نقصان ہمیشہ حکومت کے کھاتے میں ڈالے دیا جاتا ہے

کپاس ملکی معیشت میں سب سے بڑی جنس اور پاکستان کے لئے زرِ مبادلہ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ زرِ مبادلہ کی زیادہ تر کمائی خام کپاس، سوتی دھاگے، سوتی کپڑے، کینوس، تارپولین کی برآمد سے ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کپاس کی تجارت پر خصوصی توجہ دے اور اس کی طرف خصوصی رویہ اختیار کرے۔

کپاس کی پیداوار

پاکستان میں کپاس کی فی ایکڑ پیداوار دنیا میں کم ترین پیداواروں میں شمار کی جاتی ہے۔ زمین کی زرخیزی میں مسلسل کمی ہو رہی ہے۔ جس کی کئی وجوہات ہیں جن میں سیم و تھور بھی شامل ہے لیکن کھاد کی فراہمی کا نظام ناقص اور مہنگا ہے جو فی ایکڑ کم پیداوار کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ کپاس کی فصل کو بیماری اور کیڑا لگنے سے نقصان مستقل حیثیت رکھتا ہے لیکن دوائیں چھڑکنے کا بندوبست ناقص اور مہنگا ہے۔ تیسری بات یہ کہ ہر سال سیلابوں کی شدت میں کمی بیشی کی وجہ سے کپاس کی کل پیداوار میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ ان معاملات میں حکومت کو اور زیادہ سنجیدہ کوشش کرنی چاہئیں۔

ذخیرہ کرنے کے بدترین انتظامات

کپاس کی گانٹھیں انتہائی خراب حالت میں رکھے جانے کی وجہ سے اس کی کافی بڑی مقدار ہر سال ضائع ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں کپاس ذخیرہ کرنے کی کوئی سہولت موجود نہیں ہے۔ کپاس کی گانٹھیں کھلے آسمان کے نیچے دھوپ، بارش اور گرم ہواؤں کی لپیٹ میں پڑی رہتی ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف یہ اس کی کافی مقدار ضائع ہو جاتی ہے بلکہ خود کو الٹی کو بھی بھی شدید نقصان پہنچتا ہے۔ کپاس کی گانٹھوں کی تھوڑی سی تعداد سائبانوں میں رکھی جاتی ہے۔ جن کی چھتیں ٹین کی ہیں لیکن چاروں طرف سے کھلے ہونے کی وجہ سے دھوپ، بارش اور گرم ہواؤں سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ میری ناچیز رائے میں حکومت کو نئے سرے سے ترجیحات کا تعین کرنا چاہیئے اور کپاس کی گانٹھوں، چاول اور گندم کے لئے گوداموں کی تعمیر کو اولیت دے کر ہر سال ہونے والے عظیم نقصانات سے بچاؤ کا انتظام کرنا چاہیئے۔

کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کو ہونیوالے نقصانات

۱۹۷۶ء تک اس وقت کی حکومت اور اب موجودہ حکومت نے غیر ممالک میں جاری قیمتوں یا حاصل کی جا سکنے والی قیمتوں کو نظر انداز کر کے پھٹی اور روئی کی قیمتوں کو مقرر کرنا جاری رکھا۔ قیمتیں اس بنیاد پر مقرر کی جاتی تھیں کہ کاشت کار کو مقابلے کی فصلوں یعنی چاول اور گنے سے فی ایکڑ کتنی آمدنی ہو سکتی ہے۔ کپاس کی قیمتیں ہمیشہ ان قیمتوں سے زیادہ رکھی جاتی رہیں جو غیر ممالک میں رائج تھیں یا حاصل کی جا سکتی تھیں۔ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کو پہنچنے والے نقصانات کی پہلی وجہ یہ تھی، اس کے علاوہ سابقہ حکومت نے کارپوریشن سے کہا کہ وہ قیمت گھٹا کر کپاس ٹیکسٹائل ملوں کو فروخت کرے تاکہ ٹیکسٹائل کی صنعت کی مدد کی جائے۔ موجودہ حکومت نے کارپوریشن سے کہا کہ وہ صرف ٹیکسٹائل کی صنعت سے ٹنڈر طلب کر کے اس کے ہاتھ کپاس فروخت کرے۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری نے ٹنڈر میں جو قیمتیں دیں وہ کارپوریشن کی لاگت سے کم تھیں۔ سب سے زیادہ قیمت والے ٹنڈر قبول کرنا لازمی تھا۔ موجودہ حکومت نے بھی یہ قدم ٹیکسٹائل انڈسٹری کی مدد کرنے کے لئے اٹھایا تھا۔ کارپوریشن کو نقصان پہنچنے کی یہ دوسری وجہ تھی۔ ان نقصانات میں کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

کپاس کی برآمد پر بار بار پابندی

کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن ۱۹۷۴ء سے باقاعدگی کے ساتھ کپاس برآمد کر رہی ہے۔ ۱۹۷۳ء میں سابقہ حکومت نے اور ۱۹۷۹ء میں موجودہ حکومت نے کارپوریشن سے کہا کہ ٹیکسٹائل ملوں کو کپاس کی فراہمی کے لئے اسٹاک رکھنے کے لئے برآمد روک دے۔ اس میں کارپوریشن کی کوئی غلطی یا نااہلی نہیں تھی۔

کپاس کی تجارت کی موجودہ صورتحال

حکومت "فلور" پرائس کاشتکاروں کے لئے "پھٹی" اور کپاس کی کم از کم قیمت مقرر کرتی رہتی ہے کاشتکاروں کو بچانے کے لئے یقیناً یہ اقدامات ضروری ہیں لیکن یہ اقدامات ضرورت کی تکمیل نہیں کرتے۔ دو مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور دونوں صورتوں میں نقصان اٹھانے والا فریق حکومت ہوتی ہے۔

(ا) جب غیر ملکی منڈیوں میں سوتی دھاگے اور سوتی کپڑے کے دام اونچے / پرکشش ہوتے ہیں تو جنرز آپس میں مقابلہ کرتے ہیں، کاشتکاروں کو "پھٹی" کی زیادہ قیمتیں ادا کرتے ہیں۔ کپاس ٹیکسٹائل ملوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں جو اپنی باری پر سوتی دھاگہ اور سوتی کپڑا اونچے داموں پر برآمد کرتے ہیں، اور برسنے والا "من" سمیٹتے ہیں۔ اس کے باوجود حکومت سے بھی سالانہ "ری بیٹ" وصول کرتے ہیں۔

(ب) جب غیر ملکی منڈی میں سوتی دھاگہ اور سوتی کپڑے کے دام نیچے / سست ہوتے ہیں، تو جنرز / باشتکاروں کو مقررہ کم از کم قیمت ادا کرتے ہیں اور کوٹا کم کرکے ادائگی کے بہانے کٹوتی کرتے ہیں جبکہ (۱) جنرز کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن سے کپاس کی مقررہ قیمت وصول کرتے ہیں۔ کارپوریشن نقصان اٹھاتی ہے جو بالآخر حکومت کے کھاتے میں جاتا ہے (۲) ٹیکسٹائل ملز جنرز کو کپاس کی مقررہ کم از کم قیمت ادا کرتے ہیں مگر حکومت سے معاوضہ (زر تلافی) کسی نہ کسی شکل میں وصول کرتے ہیں (۳) نتیجۃً حکومت کارپوریشن سے کہتی ہے کہ وہ ٹیکسٹائل ملز کو گھٹی ہوئی مقررہ قیمت پر یا بذریعہ ٹینڈر کپاس فروخت کرے۔ جو ہمیشہ کارپوریشن کی لاگت سے کم قیمت ہوتی ہے۔ ایسا ٹیکسٹائل انڈسٹری کی مدد کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی کارپوریشن کو ہونے والا گھاٹا حکومت کے کھاتے میں جاتا ہے۔

کپاس کی تجارت کے موجودہ نظام میں ہر دو صورتوں میں نقصان حکومت ہی اٹھاتی ہے چاہے وہ زر تلافی کی صورت میں ہو یا بالواسطہ طور پر کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے نقصانات کی صورت میں۔ جہاں تک جنرز اور ٹیکسٹائل ملوں کا تعلق ہے تو وہ ہر دو صورتوں میں فائدے میں رہتے ہیں۔ درج ذیل تجاویز حکومت کی پوزیشن کو متوازن بنائیں گی۔ کیونکہ اگر ایک سال حکومت کو نقصان ہوگا تو دوسرے سال اس نقصان کی پابجائی ہو جائے گی۔

مستقبل میں کپاس کی فروخت کے بارے میں تجاویز

"فلور پرائس" "پھٹی" اور کپاس کی کم از کم قیمت مقرر کرنے کے علاوہ، جو ایک درست قدم ہے، حکومت کو چاہیئے کہ کپاس کی خرید و فروخت کے لئے ایک ادارہ قائم کرے۔ بہ ظاہر یہ خوشگوار قدم نظر نہیں آئے گا لیکن مسئلے کا حل ہی یہ ہے کہ ایسا ایک سرکاری ادارہ قائم کیا جائے۔ اس ادارے کو خصوصی طور پر کپاس سے ایک مقررہ قیمت پر جنرز سے خریدنی چاہیئے، اس سے پھٹی کی قیمت مستحکم رہے گی اور اس ادارے کو یہ کپاس ٹیکسٹائل ملوں اور برآمد کے لئے قابل برآمد کپاس کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے ہاتھ مقررہ قیمت پر فروخت کرنی چاہیئے۔

اس ادارے کو چاہیئے کہ ٹیکسٹائل ملوں کو فروخت کی جانے والی کپاس کی قیمت غیر ملکی منڈیوں میں سوتی دھاگے اور سوتی کپڑے کی قیمتوں کے تناسب سے مقرر کرے تاکہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کا فائدہ اور اضافی منافع حکومت کو ملے کیونکہ غیر ملکی منڈیوں میں سوتی دھاگے اور سوتی کپڑے کے دام کم کرنے یا سست ہونے کی صورت میں ٹیکسٹائل ملوں کو کم قیمت پر کپاس فراہم کرنے سے حکومت کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

جنرز کے نقصانات کو کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے واسطے حکومت پر منتقل کرنے اور اس کے بعد براہ راست یا کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے واسطے سے ٹیکسٹائل ملوں کے نقصانات کو حکومت پر ڈال دینے لیکن اونچی قیمتوں کے ذریعے حاصل ہونے والا منافع خود ہضم کرنے کے موجودہ نظام کو لازماً ختم ہو جانا چاہیئے۔

سوتی دھاگے کی فروخت کے سلسلے میں تجاویز

چونکہ کپاس کی تجارت پاکستان کی معیشت کا سب سے بڑا عنصر ہے اور اگر حکومت یہ پسند کرتی ہے کہ معیشت کو چلانے کی زیادہ تر ذمہ داری خود اٹھائے تو ایسی صورت میں حکومت کو چاہیئے کہ سوتی دھاگے کی خرید و فروخت کے لئے ایک ادارہ قائم کرے یعنی یہ ادارہ ٹیکسٹائل ملوں سے سارے کا سارا سوتی دھاگہ ایک مقررہ قیمت پر خرید لے اور پھر مروجہ قیمتوں پر غیر ملکی منڈیوں کو برآمد کرے اور یا درہینڈلوم کی صنعت کو فروخت کرے۔

جہاں اس دوسری تجویز یعنی سوتی دھاگے کی خرید کا تعلق ہے تو اس پر غور اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حکومت یہ سمجھتی ہو کہ اس کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ وہ اس سب سے بڑی صنعت میں وسیع تر کردار ادا کر سکتی ہے۔ جہاں تک کپاس کی فروخت کے بارے میں تجویز کا تعلق ہے تو حالات کو درست کرنے اور حکومت کو ہر سال ہونے والے شدید نقصانات سے بچانے کے لئے یہ کم از کم ضرورت ہے جس پر لازماً عمل ہونا چاہیئے۔

●●

ننکانہ صاحب | لال دین اختر

آئین میں ترمیم سے منفی نتائج مرتب ہونگے، معین شاہ

تحریک استقلال پنجاب کے جنرل سیکریٹری سید معین الدین شاہ نے پاکستان کے آئین میں فوج کا آئینی کردار متعین کرنے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی فوج کو سیاسی دھڑا بنانے کے نتائج انتہائی تباہ کن اور خوفناک ہونگے اور ترکی کی طرح پاکستان بھی مستقل طور پر سیاسی استحکام سے محروم ہو جائے گا۔ وہ اخبار نویسوں سے گفتگو کر رہے تھے انہوں نے کہا اگر فوج کو آئینی اختیارات دیکر اسے سیاست کی دلدل میں ملوث کیا گیا تو یہ ملک کی انتہائی بدقسمتی ہو گی ترکی میں یہ تجربہ بری طرح ناکام ہو چکا ہے اور ہمیں ایسی حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہیئے صدر کے اختیارات میں اضافہ کی تجویز کے متعلق انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترمیم کا حق صرف منتخب نمائندوں کو حاصل ہے کسی دوسرے فرد یا ادارہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔

قومی اتحاد کی جماعتوں کو مساجد اور دینی مدرسوں میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ قومی اتحاد میں شامل جماعتوں نے موجودہ حکومت کی حمایت کی تھی لہذا حکومت نے ان کی خدمات کے پیش نظر ان جماعتوں کو ان مقامات پر سیاسی اجتماعات کی اجازت دی ہے تاہم تحریک استقلال کو یقین ہے کہ اس سے سیاسی طور پر ملک میں کوئی اچھی روایت قائم نہیں ہو گی۔

ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی جماعت کے لیڈر تند و تیز تقریریں بھی کرتے ہیں اور اپنے اجتماعات میں کھلے عام لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال کرتے ہیں مگر نہ کوئی مقدمہ درج ہوتا ہے اور نہ ہی حکومت کی طرف سے کوئی گرفتاری یا کوئی دوسری قانونی کارروائی ہوتی ہے سید معین الدین شاہ نے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ یہ الزام غلط ہے کہ تحریک استقلال نے قومی اتحاد سے علیحدہ ہو کر شہداء کے خون سے غداری کی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قومی اتحاد کی جماعتوں اور تحریک کے درمیان صرف بھٹو سے نجات پانے کے لئے قومی اتحاد ترتیب دیا گیا تھا انہوں نے مولانا نورانی کی طرف سے اس الزام کو درست قرار دیا کہ موجودہ حکومت کے وزراء اور ان کے کارکنوں نے پیپلز پارٹی کے دور کی بدعنوانیوں اور خرابیوں کو مات کر دیا ہے۔ ●

سعودی حکومت کو "بنارس کے پنڈت" قرار دینے والے مودودی نے "فیصل ایوارڈ" لے لیا

مولانا کیا یہی ایمانداری کا تقاضا تھا

مولانا مودودی کو اسلامی خدمات کے اعتراف کے طور پر سعودی عرب کی حکومت نے شاہ فیصل ایوارڈ عطا کیا ہے۔ لوگ ان اسلامی خدمات کی تفصیل طلب کر رہے ہیں لوگ کچھ سمجھ نہیں پا رہے کہ کون سی ایسی اسلامی خدمت انجام دی ہے جس کے عوض یہ انعام عطا کیا گیا ہے پاکستان اور ہندوستان کے علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مودودی امتِ مسلمہ میں انتشار پھیلا رہے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ہم چند ایک اکابر علماء کی آراء پیش کر رہے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر قارئین سمجھ لیں گے کہ مسلمانوں میں مودودی کا کیا مقام ہے اور ان کی اسلام کے لئے "خدمات" کی کیا اہمیت ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم بڑے ہی نرم الفاظ میں فرماتے ہیں "میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا" (اشرف السوانح صفحہ ۲۴۲ جلد آخر)

مولانا حسین احمد مدنی مرحوم فرماتے ہیں "اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہیں۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مودودی صاحب کا کتاب و سنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر چلا کر لوگوں کو دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں"۔ (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص۱۷)

مولانا احمد علی صاحب لاہوری مرحوم فرماتے ہیں "مودودی صاحب کی تحریک کو بنظرِ غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کے در و دیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلایا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ ناقابلِ قبول، اور ناقابلِ عمل ہو گیا ہے اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اور اسی پر عمل کرو جو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔" اے اللہ میرے دل کی دعا قبول فرما۔ مودودی صاحب کو ہدایت فرما اور ان کے متبعین کو بھی اس جدید اسلام سے توبہ کی توفیق عطا فرما۔ اور انہیں اپنا محمدی اسلام پھر نصیب فرما، آمین یا الٰہ العالمین (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص۴۷)

مولانا علامہ شمس الحق صاحب افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور فرماتے ہیں۔

"مودودی صاحب کی تحریرات پر نگاہ ڈالی گئی۔ موصوف کے متعلق احقر کا تاثر یہ ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام سے مطمئن نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں جس کے لئے اصل اسلام میں ترمیم ناگزیر ہے لیکن اس کا چھپانا بھی ضروری ہے

محمد عبداللہ شاہد اعظمی

اس لئے وہ اپنی اس ترمیم کے تخریبی عمل کو انشاپردازی اقامتِ دین کے نعروں، یورپی طرز کے پروپیگنڈہ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تخریبی عمل کے محرکات دو ہیں۔ نفسانی تسلی، فقدانِ خشیۃ اللہ۔ اور عوام میں بھی ان دو بیماریوں میں مبتلا افراد کی کمی نہیں۔ یہی باطنی ہم رنگی دائرہ تحریک کی توسیع کا اصلی سامان ہے۔"

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری فرماتے ہیں۔ "مودودی اور ان کے متبعین کے بعض مسائل خلاف اہلِ سنت والجماعت کے ہیں سلفِ صالحین کی اتباع کے منکر ہیں لہٰذا بندہ ان کو ملحد سمجھتا ہے۔"

مولانا نصیر الدین صاحب شیخ الحدیث غور غشتوی فرماتے ہیں۔ "مودودی خیال اور مضل ہے (یعنی گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے)"

مولانا عبد الحق صاحب شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک فرماتے ہیں۔ "مودودی کے عقائد اہلِ سنت والجماعت کے خلاف گمراہ کن ہیں۔ مسلمان اس فتنہ سے بچنے کے لئے کوشش کریں۔"

فاضل اکمل مولانا سید حسین صاحب فرماتے ہیں "مودودی اس عہد کا خوفناک اور خطرناک ڈھونگ ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ مختلف مکاتیبِ فکر کا یہ متفقہ نظریہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کی زیادہ تر سرگرمیوں کا مقصد ملک میں انتشار پیدا کرنا ہے۔"

مولانا پیر غلام جہانیاں نے فرمایا۔ "جناب مودودی صاحب اور ان کا موجودہ طرزِ عمل مملکتِ خداداد پاکستان میں تفریق بین المسلمین کا ایک عظیم فتنہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مودودی صاحب کی مؤلفات کے مطالعہ کرنے سے یہ امر ثابت ہوا ہے کہ جناب مودودی صاحب کے عقائد، متعلقہ شانِ رسالت، ولایت، امامت عقائدِ حقہ جمہور مسلمانان اور علماء اکابرین و عارفین کے بالکل متضاد ہیں۔"

مولانا صاحبزادہ فیض علی صاحب فیضی فرماتے ہیں۔ "رسولِ پاک کے توسط سے جو اسلام پھیلا ہے، وہ مودودی صاحب کے اسلام سے قطعاً مختلف ہے۔ مودودی صاحب کا اسلام جاگیرداری کا محافظ اور زرعی اصلاحات کے خلاف ہے۔ آج ہمارے اقتصادی مسائل کا حل اسلام کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ مودودی ازم کے پاس ان مسائل کا کوئی علاج موجود نہیں۔ پاکستان کے محبِ وطن شہریوں کو مودودی صاحب کے ناپاک عزائم سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔" دورِ حاضر کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مودودی دشمنِ اسلام ہیں اور بجائے خدمتِ اسلام کے الٹا اس کی تخریب کے درپے ہیں، جب تمام فرقوں کے علماء مولانا مودودی کو اسلام دشمن سمجھتے ہیں اور سیدھے سادے مسلمانوں کو ان سے دور ان کی جماعت کے ہاتھوں اپنا ایمان خراب ہونے سے بچانے کا مشورہ دے رہے ہیں تو نہ جانے سعودی حکومت کو مودودی صاحب کی خلافِ اسلام حرکات کس طرح اسلامی خدمات محسوس ہونے لگیں کہ انہیں انعام سے نوازا جانے لگا۔

اب ذرا مودودی صاحب کے پاکیزہ خیالات سعودی حکومت اور وہاں کے رہنے والوں کے بارے میں بھی ملاحظہ فرمایئے۔ مودودی فرماتے ہیں۔ "وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اس جاہلیت کے قریب پہنچ گئی جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دور دور سے بڑی عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں۔ مگر اس علاقے میں پہنچ کر جب ان کو ہر طرف جہالت۔ گندگی، طمع، بے حیائی۔ دنیا پرستی بداخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کی بجائے اور الٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبے پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا۔ اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لئے جائیداد اور حج ان کے لئے تجارت بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو وہ اپنی آسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ آسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں۔ ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے آسامیوں کو گھیر کر لائے۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سنا سنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ نہ اس لئے کہ انہیں خدا کا عائد کیا ہوا فرض یاد دلایا جائے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے۔ گویا اللہ اور اس کے رسول نے یہ سارا کاروبار انہی مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کے لئے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلم، مطوف، وکیل مطوف، کلید بردار کعبہ اور خود حکومت حجاز، سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔ حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ تک بغیر فیس کے نہیں کھل سکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اس دین کے نام نہاد خادموں اور مرکزی عبادتگاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے۔ جس نے مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو۔ جہاں عبادت گاہوں کو ذریعہ آمدنی بنا لیا گیا ہو۔ جہاں احکامِ الٰہی کو اس غرض کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجا لانے کے لئے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے پیسہ گھسیٹا جائے۔ جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لئے معاوضہ دینا پڑتا ہو۔ اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو، ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے۔ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی روحانی فائدے حاصل ہوں گے جب کہ یہ سارا کام سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو۔" (خطبات حصہ چہارم ص ۵۲ تا ص ۵۴ بعنوان۔ حج کا عالمگیر اجتماع)

اگر سعودی حکومت غلطی سے مولانا کی اسلامی تخریب کو اسلامی خدمت سمجھ کر انعام دے رہی تھی تو کم از کم مودودی صاحب ایمانداری کا اظہار فرماتے ہوئے انعام لینے سے انکار کر دیتے اور صاف صاف کہہ دیتے کہ جناب میں تو آپ کی حکومت اور آپ کے عوام کے عقائد اور طریقے سے اختلاف رکھتا ہوں اس لئے میں کیونکر انعام کا حقدار ٹھہرا۔ لیکن جہاں جھوٹ اور ہیرا پھیری کو نہ صرف جائز بلکہ واجب سمجھ لیا جائے تو ایسی جرأت کا اظہار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

تحریکِ استقلال پنجاب کے وائس چیئرمین
چوہدری ممتاز احمد تارڑ
کا انٹرویو

میاں محمد شریف زاہد

اسلامی تعزیرات سے غربت اور بھوک ختم نہیں ہوسکتی

عوام روٹی، کپڑا اور مکان چاہتے ہیں

چوہدری ممتاز احمد تارڑ پیشہ کے اعتبار سے وکیل ہیں ان کا تعلق ضلع گجرات کی تحصیل پھالیہ کے ایک گاؤں سید اشرف کے تارڑ خاندان سے ہے۔ ان کے والد چوہدری شیر محمد مرحوم پنجاب کے ممتاز سیاستدان تھے۔ اس لحاظ سے انہیں سیاست وراثت میں ملی ہے۔ تحریک استقلال کے بانی رکن ہیں اور تحریکِ استقلال کے مرکزی جائنٹ سیکریٹری اور صوبہ پنجاب کے جنرل سکریٹری بھی رہ چکے ہیں گذشتہ ماہ تحریکِ استقلال پنجاب کے انتخابات میں متفقہ طور پر انہیں وائس چیئرمین منتخب کیا گیا ہے۔ گذشتہ دنوں منڈی بہاؤالدین تشریف لائے تو میری ملاقات ان کی رہائش گاہ واقع کھاریاں روڈ منڈی بہاؤالدین تارڑ ہاؤس میں ہوئی ملاقات کے دوران میں نے ان سے چند اہم امور پر سوالات کئے۔

زاہد: آپ تحریکِ استقلال پاکستان کے مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے ہیں خصوصاً مرکزی مجلس عاملہ کے رکن اور مرکزی منشور کمیٹی کے ممبر رہے ہیں کیا آپ یہ بتائیں گے کہ تحریک استقلال نے حال ہی میں جو نیا منشور دیا ہے اس میں ملک کے ڈھانچے کو تبدیل کرنے کی بات کیوں کی گئی ہے۔ اس کی بنیاد کیا وجہ ہے اور کیا اس نئے منشور کی وجہ سے تحریک کے اندر انتشار پیدا نہیں ہوگا؟

تارڑ: تحریکِ استقلال نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ملک کا موجودہ سیاسی۔ انتظامی اور اقتصادی ڈھانچہ اس قدر فرسودہ، بیکار اور ناقص ہے کہ اس میں معمولی تبدیلی، ردوبدل یا ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح حل صرف یہ ہے کہ پورے کے پورے نظام کو مکمل طور پر بدل دیا جائے کیونکہ جس انتظامی ڈھانچے میں لوگوں کو انصاف نہ مل سکے اقتصادی ڈھانچے میں غریبوں کو روٹی نہ مل سکے اور جس سیاسی اور معاشرتی نظام میں عوام سر اٹھا کر نہ چل سکیں ایسے باطل نظام کو مٹا دینا ہی بہتر ہے۔ اسی سوچ کی بنا پر تحریکِ استقلال نے قوم کے سامنے ایک واضح انقلابی پروگرام پیش کیا ہے جس کے ذریعے موجودہ نظام کو مکمل طور پر بدل دیا جائے گا اور ایک خلاحی اور انصاف پر مبنی نظام رائج کر دیا جائے گا۔ اس پروگرام سے تحریک کے اندر انتشار پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ پروگرام کارکنوں اور غریب عوام کی ضروریات اور ملک و قوم کے جدید ترین تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ نیز تحریکِ استقلال کے کارکن سیاسی شعور کے لحاظ سے بہت آگے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ محض شخصیتوں کی تبدیلی سے کچھ فرق نہیں پڑے گا بلکہ ملک کے سیاسی، انتظامی اور معاشی ڈھانچے میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں ہی اس ملک کے عوام کی تقدیر بدل سکتی ہیں۔

زاہد: حال ہی میں جنرل محمد ضیاؑ الحق نے چند اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا اعلان کیا ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے عوام مطمئن ہوجائیں گے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

تارڑ: میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ملک کا سب سے اہم مسئلہ غربت اور بھوک ہے جو خالصتاً معاشی مسئلہ ہے۔ انسان کے معاشی حالات، ہی اس کے سیاسی۔ اخلاقی اور معاشرتی رجحانات کا رخ متعین کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تک اس مسئلہ کو حل نہیں کیا جاتا۔ صرف چند اسلامی تعزیرات

نافذ کر دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ ملک کے بھوکے، ننگے اور غریب عوام روٹی، کپڑا اور مکان چاہتے ہیں۔ بھوکے آدمی کے لئے اسلام میں کوئی سزا نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے قوم کے رہنماؤں کو ہی اس حقیقی مسئلہ کا کوئی احساس نہیں ہے کیونکہ ان میں سے بیشتر اونچے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو غریب عوام کے مسائل کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ گذشتہ تیس سال کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ سرمایہ دار، وڈیرے اور پیشہ ور سیاستدان نہ تو عوام کے مسائل کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا جب تک اس ملک کی باگ ڈور ان ہاتھوں میں رہے گی اس وقت تک مسائل حل نہیں ہو سکیں گے کیونکہ وہ موجودہ استحصالی نظام کو جوں کا توں برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ اب چند تعزیرات کا نفاذ کر کے عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالی جا رہی ہے حالانکہ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ عوام کی بنیادی ضروریات روزگار، رہائش، علاج، تعلیم، روٹی اور کپڑا فراہم کرے لیکن ہمارے ہاں ان بنیادی ضروریات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

زاہد: تحریک استقلال پنجاب کے نئے منتخب ہونے والے بعض عہدیداروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کمیونسٹ، سوشلسٹ اور دہریے ہیں۔ یہ خیال کس حد تک درست ہے؟

تارڑ: ملکی سیاست میں بدقسمتی سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ جو شخص غریبوں کا نام لیتا ہے۔ انقلاب کی بات کرتا ہے یا موجودہ نوآبادیاتی نظام کو ہلاک کرنے کی بات کرتا ہے اُسے سوشلسٹ، کمیونسٹ اور دہریہ کا خطاب دے دیا جاتا ہے۔ یہ رجعت پسند سرمایہ داروں، مفاد پرستوں، ان کے پروردہ ملاؤں اور گماشتوں کی چال ہے کہ اس ملک میں غریبوں کی آواز کو ابھرنے نہ دیا جائے۔ وہ اس آواز سے اتنے خوفزدہ ہیں کہ اسے دبانے کے لئے اسلام کے مقدس نام کو بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ حالانکہ اسلام حقیقت میں غریبوں کا دین ہے۔ تحریک استقلال اس ملک کے محنت کش اور غریب عوام کو بے سہارا نہیں چھوڑے گی خواہ اسے کسی نام سے پکارا جائے۔ ہم محنت کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں اس لئے محنت کشوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

زاہد: تحریک استقلال میں مختلف نظریات کے لوگ جمع ہیں۔ آپ واضح کریں کہ تحریک استقلال دائیں بازو کی جماعت ہے یا کہ بائیں بازو کی؟

تارڑ: تحریک استقلال نہ تو دائیں بازو کی ایک رجعت پسند جماعت ہے اور نہ ہی بائیں بازو کی روایتی تقلید پسند جماعت۔ بلکہ ایک روشن خیال، ترقی پسند اور انقلابی جمہوری پارٹی ہے جو کہ سائنٹیفک سوچ رکھتی ہے اور مسائل کا سائنسی اور حقیقی حل چاہتی ہے۔ دائیں بازو سے ہمیں اس لئے اختلاف ہے کہ ان کی سوچ کوئی انقلابی سوچ نہیں ہے اور انہوں نے اسلام کا جو غلط تصور پیش کر رکھا ہے وہ سرمایہ داروں کو تحفظ دینے اور موجودہ نوآبادیاتی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے جس میں افسروں، سرمایہ داروں اور مراعات یافتہ افراد کو لوٹ کھسوٹ کے مواقع ملتے رہیں۔ ہمارا بنیادی مقصد اسلام کی حقیقی روح کے مطابق ملک کو اس لوٹ کھسوٹ

سے نجات دلا کر حقیقی ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے کیونکہ عوام لوٹ کھسوٹ کے اس تیس سالہ طویل عمل سے انتہائی بیزار ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف بائیں بازو والے بغیر سوچے سمجھے روس اور چین کی تقلید میں ایک گلے سڑے نظام کو اس ملک پر مسلط کر دینا چاہتے ہیں جو اس ملک کے حالات، اس کے تقاضوں اور عوام کے مزاج کے خلاف ہے وہ عوامی زبان میں بات کرنے کی بجائے مشکل، پیچیدہ الفاظ، پرولتاری اور بورژوا جیسی غیر ملکی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں جو یہاں کے عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک بائیں بازو کی جماعتوں کو عوامی پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ کیونکہ وہ عوام کے مزاج کو سمجھے بغیر، معاشرتی تقاضوں اور سائنسی ارتقا کے اصولوں کو نظر انداز کر کے انقلاب کی بات کرتے ہیں جو غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے۔

زاہد: آپ پاکستان میں کس قسم کا انقلاب لانا چاہتے ہیں اور اس کا طریقہ کار کیا ہو گا؟

تارڑ: ہم یہاں کے عوام کی امنگوں کے مطابق ایسا انقلاب لانا چاہتے ہیں جس میں اسلام کی حقیقی روح اور انقلابی فکر جلوہ گر ہو۔ پاکستان کے غریب، مفلس، محنت کش اور پسے ہوئے مفلوک الحال عوام کی سوچ کارفرما ہو۔ معاشرے کے حقائق کو سمجھا گیا ہو اور بنیادی سچائیوں کو تسلیم کیا گیا ہے جو اس ملک کے معروضی حالات اور عوام کے مزاج کے مطابق ہو۔ ہم روس یا چین کے نظام یا انقلاب کی تقلید نہیں کرنا چاہتے ہم اپنے حالات کے مطابق اپنے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے عوام کا سیاسی شعور اور انقلابی جذبہ تیزی سے بیدار ہو رہا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں ترقی کے جو مواقع ممکن ہیں انہیں ان سے محروم رکھا جا رہا ہے اور اس طرح ان کی حق تلفی ہو رہی ہے اور وہ غربت، افلاس کی چکی میں پستے چلے جا رہے ہیں۔ یہ انقلابی سوچ پاکستان کے غریب، نچلے متوسط طبقے اور باشعور کارکنوں کے اتحاد کا ذریعہ بن رہی ہے۔

زاہد: انفرادی ملکیت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

تارڑ: انفرادی ملکیت نے بہت سی سماجی برائیوں کو جنم دیا ہے، ۸۰ فیصد مقدمات جھگڑوں اور جرائم کی بنیادی وجہ انفرادی ملکیت ہے جس سے نہ صرف لوگوں کی ایک بڑی تعداد کا وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ دفتروں، تھانوں اور کچہریوں میں رشوت ستانی اور بددیانتی کے فروغ کا ذریعہ ہے اس لئے انفرادی ملکیت کو محدود کرنا بہت ضروری ہے اسلام میں بھی اس کی گنجائش موجود ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فتح عراق کے بعد تمام مفتوحہ اراضی قومی ملکیت میں لے لی تھی اور اس اراضی کو مسلمانوں کے لئے خریدنا بھی ممنوع قرار دیا تھا اور اس کی آمدنی مملکت کے تمام شہریوں کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونے لگی تھی۔ اسلام میں ضرورت سے زائد اپنے پاس رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب بھی صوبائی حاکموں کے پاس ذاتی مال ضرورت سے زائد جمع ہونے لگا تو آپ نے ان کا نصف مال بحق حکومت ضبط کر لیا۔ اسی طرح حضرت بلالؓ کو جو اراضی ملی تھی ان کی قوت کاشت سے زیادہ تھی وہ ان سے لے کر ضرورت مندوں کو دے دی۔ اس

طرح حضرت عمر فاروقؓ نے جو عادلانہ معاشی نظام قائم کیا تھا وہ ہی دراصل منشائے اسلام تھا۔ زمین خدا کی ملکیت ہے اور اس پر سب انسانوں کا برابر کا حق ہے۔ پاکستان میں زمین کی موجودہ تقسیم غیر منصفانہ ہے۔ موجودہ بڑے بڑے زمین کے مالکان کو بیشتر زمینیں انگریزوں نے خوشامد کے عیوض یا گھوڑے دوڑانے پر بطور انعام اور مسلمانوں سے غداری کرنے کے عیوض دی تھیں۔ اس لئے زمین کی تقسیم نئے سرے سے ہونی چاہیئے، نجی ملکیت نے معاشی ناہمواریوں کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں بے چینی اور انتشار بڑھا ہے لہٰذا جب ذاتی ملکیت کی وجہ سے ذرائع معیشت انتشار اور فساد کا سبب بننے لگیں تو انہیں قومی ملکیت میں لے لینا اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔

زاہد: موجودہ سیاسی بحران کا حل کیا ہے؟

تارڑ: اس وقت جو ملکی صورتِ حال ہے وہ انتہائی سنگین ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے ملک کو بحران سے نکال کر شاہراہِ ترقی پر گامزن کیا جائے۔ جہاں تک تحریکِ استقلال کی سوچ کا تعلق ہے وہ سمجھتی ہے کہ وقت کے تقاضہ کے تحت ملکی سلامتی، یک جہتی اور وقار کے تحفظ کی خاطر عام انتخابات فی الفور کرائے جائیں۔

زاہد: اگر عام انتخابات ہوئے تو عام خیال یہ ہے کہ پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے جیت جائے گی اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

تارڑ: ہماری جماعت جمہوریت پر یقین رکھتی ہے اس لئے جمہوریت کی بحالی کے لئے ہم کوشاں ہیں ہمارا مطالبہ ہے کہ عام انتخابات فی الفور کرائے جائیں عوام جو فیصلہ دیں گے ہمیں قابلِ قبول ہوگا۔

زاہد: افغان و ایران انقلاب کے بعد سعودی عرب اور پاکستان کا نام لیا جا رہا ہے کیا پاکستان کی سیاست متاثر ہوگی۔ بعض حلقے ان انقلابات کو عوام کے مفاد کے خلاف قرار دے رہے ہیں آپ اس پر کیا رائے رکھتے ہیں؟

تارڑ: ان انقلابات سے پاکستان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن اس سے پاکستان کے سرمایہ داروں اور مراعات یافتہ طبقوں پر ضرب کاری لگے گی، اور عوام کو ان کے بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔

ریلوے ورکرز یونین کی کانفرنس

کوڑوں اور جیلوں سے معاشی مسائل حل نہیں ہو سکتے

کم از کم تنخواہ ایک ہزار روپے ماہانہ مقرر کی جائے

ایچ۔ یو۔ لودھی

ریلوے ورکرز یونین کے زیرِ اہتمام ریلوے ورکرز کی ایک کانفرنس ۱۷ تا ۱۹ مارچ ریلوے انسٹی ٹیوٹ کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں راولپنڈی، جہلم، لاہور، ملتان، خانیوال، روہڑی، سکھر، حیدرآباد اور کوئٹہ کے ۴۰ سو سے زائد ڈیلی گیٹس نے شرکت کی۔ کانفرنس میں جن مسائل پر غور کیا گیا ان میں ۲ مسائل سب سے زیادہ اہم تھے یعنی تنظیمی امور اور مطالبات کے سلسلے میں جدوجہد کا آئندہ لائحہ عمل۔

۱۶ مارچ کو ڈیلی گیٹس کی بہت بڑی تعداد کراچی پہنچی۔ کراچی ایکسپریس کے کئی گھنٹے تاخیر سے پہنچنے کے باوجود کراچی کے ریلوے کارکنوں نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ کینٹ اسٹیشن رنگ برنگی جھنڈیوں اور بینروں سے سجایا گیا تھا۔ استقبال کرنے والوں میں کراچی ڈویژن کے صدر منظور احمد رضی، جنرل سکریٹری محمد عارف آزاد، نائب صدر راجہ فیض سلطان، مرکزی نائب صدر ایچ لودھی، دوسری ترقی پسند تنظیموں کے کارکن اور وہ ڈیلی گیٹس بھی شامل تھے جو پہلے کراچی پہنچ گئے تھے۔ آنے والے ڈیلی گیٹس میں سب سے نمایاں اور ممتاز شخصیت یونین کے چیف آرگنائزر مرزا محمد ابراہیم کی تھی۔ جیسے ہی مرزا صاحب باہر آئے ہزاروں کارکنوں نے پرجوش نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ مرزا صاحب نے مختصر خطاب میں کارکنوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اتنی دیر تک انتظار کی زحمت اٹھا کر اپنے ڈیلی گیٹس کا ایسا پروقار اور شاندار استقبال کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کانفرنس بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ بے شمار مسائل ہیں جو اس میں زیرِ غور آئیں گے۔ اور یونین کی کونسل دوررس نتائج کے حامل فیصلے کرے گی۔ کیونکہ مہنگائی انتہا کو پہنچ چکی ہے، بھوک، افلاس، بیماری اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے لئے مزدوروں کسانوں اور غریب عوام کو متحد ہو کر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جدوجہد کرنی ہے اور ریلوے مزدوروں کو اس میں شایانِ شان کردار ادا کرنا ہے۔

کانفرنس کے پہلے دو اجلاس بند کمرے میں ہوئے پہلے اجلاس کی صدارت مرکزی نائب صدر ایچ یو لودھی نے اور دوسرے اجلاس کی صدارت کوئٹہ ڈویژن کے صدر نادشاہ بخاری نے کی۔

جناب مرزا محمد ابراہیم صاحب نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ریلوے کے مزدور بے شمار مسائل سے دوچار ہیں۔ یہ مزدوروں کا نمائندہ اجلاس ہے۔ اس اجلاس پر مزدوروں کے مسائل حل کرنے کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لئے اس کانفرنس میں نہایت سنجیدگی سے ان مسائل پر غور کرنا ہے اور پھر جو فیصلے کئے جائیں، ان پر پورے عزم کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ عمل کے لئے زبردست ڈسپلن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے آپ اپنی صفوں کو درست کریں اور اتحاد کو مضبوط بنائیں۔ اسی صورت میں آپ کی جدوجہد کامیاب ہو سکتی ہے۔ مہنگائی انتہا کو پہنچ چکی ہے، جس کی وجہ سے مزدوروں میں شدید بے چینی پائی جاتی ہے۔ تنخواہیں مہنگائی کی نسبت سے بہت

کم ہیں، پھر ان میں خامیاں ہیں۔ دوسری سہولتوں کا فقدان ہے۔ کوارٹر خراب خستہ ہیں۔ بجلی پانی تک میسّر نہیں جب کہ افسروں کے بنگلے اور آفس تک ایر کنڈیشنڈ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ریلوے ایک کروڑ روپیہ ہسپتالوں پر خرچ کرتی ہے لیکن مزدوروں کو دوائیں میسّر نہیں آتیں۔ یونیفارم ناقص اور ناکارہ ہوتی ہے۔ بعض مزدور ۱۲-۱۲ گھنٹے لگاتار کام کرتے ہیں۔ انہیں نہ اوور ٹائم ملتا ہے، نہ ہفتہ واری ریلیف۔ یہ ظلم ہے اور ایسے مظالم کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن یونین نے بہت سے مطالبات پیش کئے ہیں، ان میں تنخواہوں میں اضافہ اور اسکیلوں میں خامیوں کو دور کرنے اور الاؤنسوں میں اضافہ پر زیادہ زور دیا ہوا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اگر ریلوے بورڈ اور انا ملی کمیٹی کی طرف سے ان خامیوں کو دور کرنے میں مزید تاخیر ہو۔ تو یونین کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عملی قدم اٹھائے۔ یہ اس کونسل کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ پر خوب غور کرے اور فیصلہ کرے کہ کیا قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔ سب صورتِ حال آپ کے سامنے ہے۔" میں نے کبھی مزدوروں کے مفادات کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہے۔ میں نے ہمیشہ مزدوروں کی خدمت کی ہے اور یہ خدمت میں نے عبادت سمجھ کر کی ہے۔"

انہوں نے کہا مزدوروں کے مسائل ہر روز بڑھتے جارہے ہیں۔ اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے ان کی آنکھیں اس کانفرنس کی طرف لگی ہوتی ہیں۔ وہ آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ انہوں نے کونسل سے سفارش کی کہ وہ یونین کو مکمل اختیار دے کہ اگر ریلوے بورڈ اور انا ملی کمیٹی تنخواہوں میں خامیاں دور کرنے اور دوسرے مطالبات تسلیم کرتے میں اور تاخیر کرے تو یونین راست اقدام کرسکتی ہے اور یہ کہ ایسی صورت میں تمام کارکن کیماڑی سے لنڈی کوتل تک بھرپور حصہ لیں گے۔ یہ تاریخی فیصلہ ہوگا۔ اس میں قربانیاں بھی پیش کرنا ہوں گی۔ اس کے لئے ہمیں سب کو تیار رہنا ہوگا۔ انہوں نے رہڑی سیمنٹ فیکٹری کے مزدوروں پر مظالم کی مذمت کی اور ایڈوکیٹ غلام علی میمن اور بنگلہ دیش کے مسیح الرحمٰن کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ ان کے متعلق قرارداد پاس کرے۔

ان اجلاسوں سے ان ڈیلی گیٹس نے بھی خطاب کیا۔ راولپنڈی کے چوہدری کرامت حسین، صوفی اسد محمد اور راجہ منظور، لاہور کے حضرت اللہ، محمد اقبال اور محمد طفیل، کراچی کے منظور احمد رضی، راجہ فیض سلطان، محمد عارف آزاد، محمد طفیل سلہری اور سید یاور حسین نقوی۔ اجلاس نے قراردادیں منظور کرنے کے علاوہ یہ متفقہ فیصلہ بھی کیا کہ ریلوے بورڈ اور انا ملی کمیٹی کی طرف سے خامیاں دور نہ کئے جانے اور مطالبات تسلیم نہ

اخباری کارکن، ریلوے
کے مزدوروں کے ساتھ ہیں
ـــــــ منہاج برنا

کئے جانے کی صورت میں یونین کی عاملہ کو اختیار ہوگا کہ وہ راست اقدام کا اعلان کرے اور اسے عملی صورت دینے اور کامیاب بنانے کے لئے ہر ضروری اقدام کرے۔

تیسرا اور آخری اجلاس کھلا اجلاس تھا جس میں ریلوے ورکرز یونین کے رہنماؤں اور مزدوروں کے علاوہ دوسری تنظیموں کے اراکین اور مزدور رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ ان میں منہاج برنا، انیس ہاشمی، جاوید شکور، اے آر ناصر، ڈاکٹر شمیم زین الدین، عزیز الحسن، محمد اکرم دھریجہ، جعفر خان، کامران مرزا، شوکت حیات اور دوسرے رہنما شامل تھے۔ اجلاس کی صدارت کراچی ڈویژن کے صدر منظور احمد رضی نے کی، لاہور کے اللہ دتہ نے تلاوت کی اور لاہور کے محمد عارف اور راولپنڈی کے راجہ منظور نے انقلابی نظمیں پیش کیں۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض راولپنڈی ڈویژن کے صدر چوہدری کرامت حسین نے انجام دیئے، قراردادیں سکریٹری جنرل محمد رفیق نے پیش کیں۔

کھلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مرزا محمد ابراہیم نے کہا کہ کدال چلانے والے اور قلم سے روزگار حاصل کرنے والے مزدوروں کے درمیان اتحاد ہونا چاہیئے یہی اتحاد ان کی کامیابی کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کانفرنس بہت کامیاب رہی، کونسلروں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ تمام حالات کا جائزہ لیا۔ اور میں مسرّت کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ کونسل نے یونین کو مکمل اختیار دے دیا ہے کہ اگر ریلوے بورڈ اور انا ملی کمیٹی اسکیلوں میں خامیاں دور کرنے میں مزید دیر کرے تو یونین راست اقدام کرسکتی ہے انہوں نے مزدوروں سے پوچھا کہ اگر یونین نے راست اقدام کیا تو تم بھرپور تعاون کرو گے؟ مزدوروں نے پُرجوش آواز میں کہا کہ کریں گے۔ کریں گے۔ بابائے محنت کشاں مرزا محمد ابراہیم زندہ باد کے نعرے لگائے، مرزا صاحب نے بھی بلند آواز سے کہا۔ ہم بھی راست اقدام کریں گے۔ کریں گے۔ کریں گے۔ مزدوروں میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ مہنگائی کی مناسبت سے ہم کم سے کم -/۱۰۰۰ روپیہ تنخواہ مقرر کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور تا فیصلہ -/۳۰۰ روپیہ ماہوار عبوری امداد دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ محنت کشوں کو کوڑے مارنے اور قید کرنے سے ان کے معاشی مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ اسلامی عدل و مساوات کے مطابق محنت کشوں کو فاقہ کشی اور بے روزگاری سے نجات دلائے بغیر مزدوروں کی بے چینی دور نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا ایک جماعت مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہی محاذ آرائی پر مجبور کر رہی ہے جس کا مقصد ایک طرف مزدوروں کے مفادات کو نقصان پہنچانا ہے اور دوسری طرف محنت کشوں کی عظیم قوت کو کمزور کر کے اپنے آقاؤں کا تحفظ کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سرمایہ داروں کا تحفظ اور سامراجی قرضے کچھ نہیں کر سکتے۔ ملک کے مزدوروں، کسانوں کے حالات تبدیل کرنا ہوں گے۔ انہوں نے کہا ہماری جدوجہد عوامی جمہوریت کے لئے ہے اور عوام کی حکمرانی تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ سرمایہ دار اور حکومت کے ایجنٹ الزام لگاتے ہیں کہ مزدور کام نہیں کرتا۔ پیداوار میں اضافہ نہیں کرتا جب کہ سرمایہ دار مزدور کی محنت سے ایک کے بعد دوسری مل اور فیکٹریاں بناتے رہے ہیں اور

ان کی عیاشیوں میں ہزار گنا اضافہ ہوا ہے مگر مزدور آج بھی مسائل کا شکار ہے۔ جب تک محنت کش طبقہ کو ذرائع پیداوار کا مالک تسلیم نہیں کیا جائے گا پیداوار نہیں بڑھ سکتی۔ اسلامی عدل و مساوات کے حامی بتائیں کہ یہ کیسا عدل ہے۔ کہ ایک خاندان کے چند افراد ہزاروں گز پر بنے ہوئے ایئر کنڈیشنڈ محلات میں رہیں اور اس ملک کا دوسرا خاندان محنت کی چکی میں پسنے کے بعد بھی بجلی اور پانی سے محروم جھونپڑیوں میں زندگی گزارہ دے۔ انہوں نے پوچھا کہ ملتان کے ٹیکسٹائل ملز، دوہڑی سیمنٹ فیکٹری اور لاہور میں محنت کشوں کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا' ان کا قتل کیا گیا۔ مگر اسلامی عدل و مساوات کے اصول ان کے لئے کیوں استعمال نہیں کئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ اب محنت کشوں کا شعور جاگ رہا ہے اور یہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لئے موت کا پیغام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریلوے کے مزدور دوسرے مزدوروں کے ساتھ ہیں اور اپیل کی کہ تمام مزدوروں کو متحد ہو کر جدوجہد کرنا چاہیئے۔ انہوں نے ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ یہ بھی مطالبہ کیا کہ تمام گرفتار شدہ مزدوروں، کسانوں، طلبا اور دانشوروں اور سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ شہری آزادیاں بحال کی جائیں۔ اخبارات پر سے سنسر شپ ختم کیا جائے۔ بند جرائد اور اخبارات کو اشاعت کی اجازت دی جائے۔ آخر میں انہوں نے کانفرنس کی کامیابی پر کونسلروں کو مبارک باد دی اور اپنی تقریر ان نعروں کے ساتھ ختم کی۔

پاکستان بھر کے مزدور ایک ہو جاؤ۔
لے کر رہے گا ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان

اس سے قبل پی ایف یو جے کے صدر اور ایپنک کے چیئرمین جناب منہاج برنا نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کانفرنس کی کامیابی پر ریلوے مزدوروں کو مبارک باد دی اور یقین دلایا کہ قلم کے مزدور ریلوے مزدوروں کے ساتھ مل کر جدوجہد کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اجتماعی جدوجہد سے مزدور دشمن عناصر کو کچل دیں گے اخباری کارکنوں نے محنت کشوں کے حقوق غصب کرنے والی طاقت کے گریبان پر سب سے پہلے ہاتھ ڈالا تھا انہوں نے اخبارات کی آزادی بحال کرنے، محنت کشوں کی چھانٹیاں برطرفیاں اور کسانوں کی بیدخلیاں بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے ریلوے مزدوروں کے مطالبات کی بھرپور حمایت کی اور کہا کہ ریلوے کے مزدور اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے جو بھی قدم اٹھائیں گے۔ اخباری صنعت کے کارکن اس کا پوری طرح ساتھ دیں گے ○

ہرمن مہتہ کمپنی سے ۲۵۰ مزدور برطرف کر دیئے گئے

نمائندہ خصوصی

حکومت کی اونچی کرسیوں سے بار بار مزدوروں کو یہ نصیحت اور تلقین کی جاتی ہے کہ پیداوار میں اضافہ قومی ضرورت ہے اور مزدوروں سے سرمایہ داروں کے ہاتھوں استحصال کی بات کرنے والوں کو ہر بُرے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے اس اعتبار سے تو برحق ہیں کہ اپنے طبقے کے عیب چھپاتے ہیں لیکن حقیقت اتنی بے رحم اور صداقت کی کاٹ اتنی تیز ہوتی ہے کہ ان کے سارے نقاب نچ جاتے ہیں اور استحصال کی مکروہ صورتیں عریاں ہو جاتی ہیں۔ اس بیان کے ثبوت میں ہم بی آر۔ ہرمن اینڈ مہتہ لمیٹڈ کی یونین کی ایک رپورٹ شائع کر رہے ہیں اور یہ ذمہ داران حکومت سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ اس ادارے کی انتظامیہ کو کب تک آپ کی پشت پناہی حاصل رہے گی۔ یا پھر آپ کب تک اُس کے سامنے بے بس رہیں گے۔

پاکستان کے قدیم ترین کارخانوں میں سے ایک بی۔ آر ہرمن اینڈ مہتہ لمیٹڈ ہے۔ اس کا قیام اب سے تقریباً ۹۶ سال قبل یعنی ۱۸۸۳ء میں عمل میں آیا تھا۔ اس کمپنی کو ۱۹۱۹ء میں کمپنیز ایکٹ ۱۹۱۳ء کے تحت رجسٹر کرایا گیا تھا۔

کمپنی کا کل منظور شدہ سرمایہ، ۱۱ لاکھ روپیہ ہے جس کے حصہ داروں میں انگلش شیئر ہولڈرز اور تارکین وطن دونوں شامل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد، اس ادارے کے اس حصہ کو جس کا تعلق تارکین وطن سے تھا حکومت کی تحویل میں جانا چاہیئے تھا لیکن سرمایہ داروں نے، بڑی ہوشیاری کے ساتھ، انگلش شیئر ہولڈرز اور تارکین وطن دونوں کے حصوں پر قبضہ جاری رکھا لاوارث شیئر ہولڈرز کے انتقال کے بعد۔ شیئرز ٹرانسفر ہوئے جعلی دستخطوں کے ذریعہ، ناجائز بورڈ اور جنرل باڈی کے اجلاس منعقد ہوتے رہے اور اس طرح کمپنی کے حالات پر توجہ دینے کے بجائے، انتظامیہ کے افراد ناجائز کارروائیوں کو جائز قرار دینے پر شب و روز مصروف رہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد مسٹر ہون جو مذہباً سکھ تھے اور جن کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا جس کا اجرا کلکتہ میں ہوا تھا۔ دعویدار ہوئے کہ انہوں نے ہندوؤں کے شیئرز خرید لئے ہیں بعد میں مسٹر مشتاق احمد لندن سے تشریف لائے اور کارخانہ پر قابض ہو گئے۔ موصوف کا دعویٰ تھا کہ لندن میں شیئر ہولڈرز کا اجلاس ہوا ہے اور انہیں اختیارات منتقل ہو گئے ہیں۔ مقدمہ بازی اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ ڈائریکٹروں نے لاکھوں روپیہ کا خرد برد کیا۔ عدالت عالیہ نے پہلے عدالت کے ناظر کو اور پھر فریقین کی رضامندگی سے گروپ کیپٹن مراد اور اشتیاق علی صاحب کو رسیور کی جگہ نامزد کیا گیا۔ یہ سلسلہ ۲۴ مئی ۱۹۷۴ء کے فیصلہ کے تحت منقطع ہو گیا اور فریقین کے درمیان صلح ہو گئی۔ اب تمام تر مالی انتظامات ایسے افراد کے ہاتھوں میں پہنچ گئے جن کا کمپنی کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہ تھا۔ جنہوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ کمپنی کے وسائل کو ذاتی اور بیرونی مفاد کے لئے استعمال کیا۔ یہ پہلا موقع نہ تھا۔ کافی عرصہ سے ادارے پر ایسے افراد کا قبضہ رہتا چلا آیا تھا جو اس امر سے واقف تھے کہ کسی بھی لمحہ ان کی ملکیت ختم ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر ایسے افراد کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ جتنا مل سکے اسے کم از کم وقت میں سمیٹ لیا جائے۔

ایسے ہی مالکان نے مزدوروں کے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کو استعمال میں لانے کی نیت سے، ڈیپازٹ فنڈ میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح ایک خطیر رقم، بلاسود و منافع دیئے اپنے استعمال میں لے آئے۔ بعد میں صنعتی عدالت کے فیصلہ اور عدالت عالیہ کی ہدایت پر، پراویڈنٹ فنڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بار بار معاہدوں، اور رقم جمع کرانے کی آخری تاریخ کے واضح فیصلوں کے باوجود پچھلے سال تک اس فنڈ میں سے جو رقم کمپنی نے غیر قانونی طور پر اپنے استعمال میں رکھی، اندازاً اس کی مالیت ۱۵ لاکھ روپیہ تھی۔ یہ رقم مزدوروں کی طرف سے سرمایہ کاری ہے جو سرمایہ داروں کی ۱۱ لاکھ روپیہ کی سرمایہ کاری سے زائد ہے اس لئے انصاف کا یہ تقاضہ ہونا چاہیئے کہ انتظامیہ ان کے ہاتھوں میں ہو جنہوں نے ۵۰ فیصد سے زائد سرمایہ کاری کی ہے۔

جہاں تک مالیات کا تعلق ہے، کتابوں سے باہر جو کچھ کیا گیا ہے اس کا تعین کوئی تحقیقاتی کمیٹی ہی کر سکتی ہے جسے تلاش و

تحقیق کے پورے اختیارات دیئے گئے ہوں تاہم جہاں سیلس / انتظامی شعبوں سے متعلق افراد کی تنخواہوں اور الاؤنسز کا تعلق ہے اس میں بے پناہ اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ ایسے حسب ذیل گوشوارہ اس حقیقت کی تصدیق کرنے کے لئے کافی مواد فراہم کرتا ہے۔

سیلز / ایڈمنسٹریشن / تنخواہ / الاؤنس / فوائد۔

سنہ ۱۹۷۳ء	سنہ ۱۹۷۴ء	سنہ ۱۹۷۵ء
۴،۹۴،۴۸۷	۸،۰۰،۸۰۴	۱۴،۳۷،۹۱۴

سنہ ۱۹۷۶ء	سنہ ۱۹۷۷ء	
۲۳،۶۶،۵۳۹	۳۰،۸۹،۹۲۷	

خام مال کی ناجائز فروخت، خریداری کے معاملات میں بد دیانتی، دوسرے اداروں کے اخراجات کی کمپنی پر منتقلی، یہ تمام معاملات اس آڈٹ اسپورٹ سے ظاہر ہو جائیں گے جس کے سلسلہ میں یونین کی درخواست پر حکومت سندھ نے آڈیٹر کا تقرر کیا ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق پاکستان اسٹیل ملز نے مشینری کی تبدیلی اور نئی مشینری کی خریداری کے سلسلہ میں کمپنی کو تقریباً ۸۰ لاکھ روپیہ کا خام مال۔ (کتابوں پر اس کی رقم انتہائی کم تھی کیونکہ اسے سالہا سال قبل خریدا گیا تھا) فروخت کیا اور رقم کمپنی کے کھاتے میں درج نہیں کی گئی۔ انتظامیہ نے بلاضرورت ایک کروڑ سے زائد رقم بنکوں سے ادھار حاصل کی اپنے دوسرے پروجیکٹس میں لگائی جس کا سود اس کمپنی سے ادا کیا گیا۔

مزدوروں نے قانون کے مطابق ۷ اپریل سنہ ۱۹۷۸ء کو مطالبات پر باہمی بات چیت کی ناکامی کے بعد نوٹس جاری کیا جس پر محکمہ محنت کے مصالحتی افسر صاحب نے دونوں فریقین کو طلب کیا تقریباً ۹ ماہ تک بات چیت ہوتی رہی۔ اسی درمیان انتظامیہ کے نمائندے تبدیل ہوتے رہے۔ پچھلے طے شدہ معاملات پر عمل درآمد کرنے کی آخری تاریخیں مقرر ہوتی رہیں۔ موجودہ ایگزیکٹیو ڈائریکٹر صاحب نے مصالحتی افسر کی موجودگی میں مالی بدانتظامی، کمپنی کی رقومات کے ناجائز استعمال کی حقیقت کو تسلیم کیا اور یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ کمپنی کی رقم کو باہر استعمال سے روکنے میں ناکام ہوئے تو علیحدگی اختیار کر لیں گے۔ مصالحتی کارروائی کے دوران یہ اطلاعات ملی کہ مالکان ایک بھاری رقم کے عوض انتظامات دوسری پارٹی کے سپرد کر رہے ہیں جس پر موصوف نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب یہ خبر عام ہوئی کہ اس کارخانہ کو بند کر دیا جائے گا اور زمین کے محل وقوع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان میں گوڈاؤن، فلیٹس یا کسی عظیم الشان رہائشی اسکیم کا اعلان کیا جائے گا تاکہ بے گھر اور ضرورت مند افراد سے کروڑوں روپے حاصل کئے جا سکیں۔ ایگزیکٹیو ڈائریکٹر صاحب نے اس خبر کی بھی تردید فرمائی اور بے شمار آرڈرز کی موجودگی اور مزید حاصل کرنے کا مژدہ سنایا۔

۶ فروری سنہ ۱۹۷۹ء کو مصالحتی کارروائی ناکام ہو گئی۔ تنازعہ کے حل کے لئے ثالثی کی واضح تجویز کو کمپنی نے رد کر دیا۔ نتیجتاً یونین نے صنعتی عدالت سے رجوع کیا۔

۱۸ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء کو حکومت سندھ نے کمپنی کے اکاؤنٹس برائے سال ۷۷-۱۹۷۶ء کی آڈٹ کے لئے آڈیٹرز کا تقرر کیا۔ انتظامیہ کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی اس نے مزدوروں اور یونین کے عہدیداروں پر مزید دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ مطالبات واپس لے لیں۔ بصورت دیگر کمپنی میں چھانٹی کر دی جائے گی

۲۰ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء کو یونین نے صنعتی عدالت کے روبرو ایک تحریری درخواست کے ذریعہ اس اندیشہ کا اظہار کیا۔ عدالت نے غیر قانونی طور پر مزدوروں کو ملازمت سے علیحدہ نہ کرنے کا حکم جاری کیا لیکن انتظامیہ نے دوسرے ہی دن یعنی ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء کو ۱۹۵ مزدوروں سے ٹوکن اٹھا لئے اور کارخانہ پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا۔ بعد میں اخبارات کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ نقصانات اور تنظیم نو کے نام پر تقریباً ۲۰۰ افراد اور ان کے ہزاروں اہل خاندان کو معاشی پھانسی دے دی گئی۔

دو سوا دو سال کے عرصہ میں، ۲۷۰ مزدوروں سے تعداد گھٹ کر ۴۸۶ رہ گئی تھی اور مزدوروں کی پیداوار و نیز نفع میں ۱۹۷۴ء کے مقابلہ میں چار سو گنا اضافہ بھی ہوا تھا پھر بھی ہیرا پھیری، بے ایمانی، بدعنوانی کی سزائیں انہی مزدوروں کو دی جا رہی ہیں جو قطعی بے گناہ ہیں۔ ۱۱ لاکھ کی رقم سے کاروبار شروع کرنے والے اور ان کے چھوٹے جانشینوں نے کروڑہا روپے کمائے اور اب بھی تمام کاروبار پر قابض ہیں جبکہ محنت کرنے والے مزدور جنہوں نے دوران سال سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء دو کروڑ ۶۱ لاکھ ۵۰ ہزار ۱۵۶ روپوں کے مکینیکل کنٹریکٹ، ۱۹ لاکھ ۲۳ ہزار ۴ سو ۱۶ روپوں کے بوٹ بلڈنگ کنٹریکٹ، ۱ لاکھ ۶ ہزار ۶ سو ۹، روپوں کے اسٹورز آرڈرز مکمل کئے۔ بے روزگار ہوئے اور ناجائز قبضہ کرنے والے، کروڑوں روپوں کا مال خرد برد کرنے والے بذات خود اپنے الاؤنسز اور اخراجات کی منظوری کا حق رکھنے والے بقیہ مزدوروں کو بھی ملازمت سے علیحدہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔

یہ ادارہ انتہائی اہم انجینئرنگ سے تعلق رکھتا ہے جس کا زیادہ تر کاروبار ملکی اہمیت کے قومی اور نجی کارخانوں اداروں کے ساتھ ہوتا ہے اس کارخانہ میں ڈیزائننگ، فیبریکیشن اور ارکشن سے متعلق انتہائی پیچیدہ کام ہنرمند اور سالہا سال سے وابستہ تجربہ کار مزدور سرانجام دیتے ہیں۔ پاکستان اسٹیل ملز کے علاوہ یہ ادارہ واپڈا کے پاور اسٹیشن وارسک ڈیم، راول ڈیم، ہائی سنز اسٹیل ملز، ذیل پاک سیمنٹ فیکٹری حیدرآباد، کوئٹہ، ورگی پاور اسٹیشن، ارد کی کیمیکلز،

جہاں تک مزدوروں کا تعلق ہے کمپنی کے اپنے جھوٹے کھاتے بھی ان پر کوئی الزام ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ سال بہ سال مزدوروں نے نفع میں اضافہ کیا ہے جس کا اظہار درج ذیل گوشوارے سے کیا جا سکتا ہے۔

مزدوروں پر اخراجات نکالنے کے بعد نفع	۱۹۷۳ء	۱۹۷۴ء	۱۹۷۵ء	۱۹۷۶ء	۱۹۷۷ء
	۹،۷۱،۳۹۵	۱۲،۳۰،۶۰۵	۲۱،۹۶،۷۸۶	۲۲،۰۱،۱۲۱	۲۷،۲۷،۰۸۳

جہاں تک مزدوروں کی تعداد کا تعلق ہے اس میں قبل ازیں، انتقال / ریٹائرمنٹ / ٹرمینیشن / ڈسمسل اور استعفوں کی وجہ سے کافی حد تک کمی کی جا چکی ہے جس کا اندازہ درج ذیل چارٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔

تاریخ	ورکرز کی تعداد	اپرنٹس	واچ مین	مزدوروں کی کل تعداد	اسٹاف ممبرز	مجموعی تعداد
۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۶ء	۵۴۰	۲۷	۱۹	۵۸۶	۱۵۱	۷۳۷
۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۷ء	۵۰۷	۲۱	۱۹	۵۴۷	۱۳۴	۶۸۱
۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء	۴۲۶	۱۰	۱۸	۴۵۴	۱۰۹	۵۶۳
۲۱ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء	۳۶۷	۹	۱۲	۳۸۸	۹۸	۴۸۶
۲ سال ۲ ماہ ۲۱ دن کے دوران کم ہو جانے والے کارکنوں کی کل تعداد	۱۷۳	۱۸	۷	۱۹۸	۵۳	۲۵۱

سوئی گیس، اسٹیٹ بنک آف پاکستان، اٹامک ازجی کمیشن، گدو پاور اسٹیشن، کراچی پورٹ ٹرسٹ، پاکستان نیشنل آئل، پاکستان نیوی، بنگال آئل، پاکستان ریفائنری، فرنٹیئر اور بلوچستان میں گھی پلانٹ، گھی کارپوریشن آف پاکستان کے درگئی اور ہزارہ پلانٹ جیسے اہم کام کر چکا ہے یا کر رہا ہے۔ اس کے دائرہ کار میں ٹرانسمیشن ٹاور، ڈیلٹا آنٹنا، میٹرولاجیکل ٹاورز، کرین، ایئر

گرانڈ ہینگرز، بارجیز، پٹرول واٹر اسٹوریج ٹینک، بائلرز کلن، واٹر ہیٹر، ریلوے آئل ٹینکر، ڈیپ بارجیز، اور دیگر تمام سول وہ میکنیکل فیبریکیشن اور ارکشن کے کام آتے ہیں ایک ایسے اہم ادارے کی بربادی صرف اس لئے کی جا رہی ہے کہ اس کے حقیقی مالکان کے ہاتھوں میں انتظامیہ نہیں ہے۔

•

این ڈی پی، مزاری بمقابلہ بزنجو

مثبت نتائج کے لئے کنونشن ملتوی کر دیا گیا

نمائندہ خصوصی

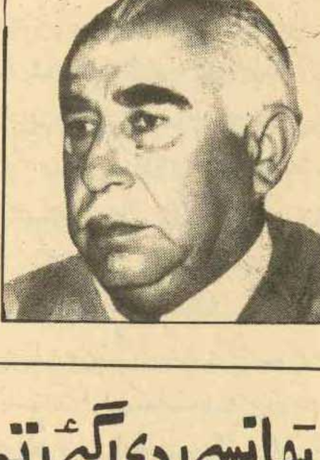

این ڈی پی میں دائیں اور بائیں کی کشمکش فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی ہے دایاں بازو جس کی قیادت ولی خان، بیگم ولی خان اور سردار شیرباز مزاری کر رہے ہیں اپنی پارٹی کے بائیں بازو سے خائف نظر آتے ہیں مرکزی کنونشن میں بائیں بازو کے عناصر پارٹی کی سربراہی کے لئے میر غوث بخش بزنجو کا نام پیش کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے جب اس کا علم سردار مزاری کو ہوا تو انہوں نے بیگم ولی خان سے مشورہ کر کے کنونشن کے التوا کا اعلان کر دیا اور اب ان کی پوری کوشش ہے کہ پارٹی کو بائیں بازو سے پاک کیا جائے اور اس منصوبے کی ابتدا گزشتہ دنوں پنجاب سے کی گئی پنجاب این ڈی پی کے چیف راؤ مہر روز اختر نے، قسور گردیزی، عابدہ حسین (چیئر پی پی) رانا مقبول، حافظ محمود اور حنیف کی پارٹی رکنیت معطل کر دی جب کہ میر بزنجو پنجاب کے دورے پر تھے۔

پھانسی دی گئی تو ڈاکٹر استعفیٰ دیدینگے

سندھ ہیلتھ سروسز ایسوسی ایشن نے جنرل ضیاء الحق سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کا مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہیں پھانسی دی گئی تو چھ سو ڈاکٹر احتجاجاً اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دے دیں گے۔ ۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء کو ایسوسی ایشن کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر ایم کامل راجپر نے صدرِ مملکت کو یہ مراسلہ بھیجا۔

جناب عالی!

مسٹر جسٹس صفدر شاہ کے فرمانے کے مطابق مسٹر بھٹو کی سزائے موت میں تخفیف کے لئے سپریم کورٹ کے ۷ ججوں کی سفارش کے پیش نظر، سندھ کے ۵ میڈیکل کالجوں اور اندرونِ سندھ خدمات انجام دینے والے ڈاکٹروں کی اکثریت نے مجھ پر زور دیا ہے کہ ان کے احساسات آپ تک پہنچاؤں کہ مسٹر ذیڈ۔ اے بھٹو کی جاں بخشی کی جائے۔

رحم کی یہ درخواست ان خدمات کی بنا پر کی جا رہی ہے جو انہوں نے ملک اور اس کے ساتھ ساتھ تیسری دنیا کے لئے انجام دی ہیں۔ سندھ میں خدمات انجام دینے والے ڈاکٹر خاص طور پر سندھی ڈاکٹر اس رائے کے حامل ہیں کہ پھانسی دینے کے بعد کے اثرات ملک کے مفاد میں نہیں ہوں گے۔

پروفیسر، اسسٹنٹ پروفیسر، میڈیکل آفیسر، ہاؤس آفیسر اور انتظامی عہدوں پر مختلف حیثیتوں میں خدمات انجام دینے والے ڈاکٹر یہ رائے رکھتے ہیں کہ سپریم کورٹ کی سفارش کا احترام کیا جانا چاہیئے۔ لیکن اگر اسے مسترد کر دیا گیا اور دنیا کے تقریباً تمام رہنماؤں کی اپیلوں کو نظر انداز کر دیا گیا تو آج کے نظریۂ ضرورت کے تحت اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ استعفیٰ پیش کر دیئے جائیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپیل کا استرداد ایک حلقہ کی طرف سے کئے جانے والے اس پروپیگنڈے کو اعتبار فراہم کرے گا کہ مسٹر بھٹو کو اس لئے پھانسی نہیں دی جا رہی ہے کہ وہ مجرم ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ سندھی ہیں۔ لوگ لازماً بنگلہ دیش کے المیے سے مترادفات تلاش کریں گے۔

سندھ ہیلتھ سروسز ایسوسی ایشن کے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جناب تک حقیقی احساسات پہنچاؤں تاکہ ملک کے وسیع تر مفاد میں ڈاکٹر برادری کی خواہشات پر غور کیا جائے اور ان کا احترام کیا جائے۔

آخر میں خلوص کے ساتھ میں یہ توقع کرتا ہوں کہ مخاصمت اور نفرت سے بچنے کے لئے مسٹر ذیڈ۔ اے بھٹو کی جان بخش دی جائے گی۔

یہ فرد کی زندگی کا نہیں

ملک کی بقا اور کشمیر کی آزادی کا مسئلہ ہے لطیف رضا

آل جموں و کشمیر گوجر ویلفیئر ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل چوہدری ایم اے لطیف رضا نے مطالبہ کیا ہے کہ اس وقت ملک میں آئینی صدر موجود نہیں آئینی صدر فضل الٰہی چوہدری مستعفی ہو چکے ہیں۔ اور جب تک آئین کے تحت منتخب ہونے والا صدر عنانِ مملکت نہیں سنبھالتا' اُس وقت تک مسٹر بھٹو کی سزائے موت پر عمل درآمد نہ کیا جائے مسٹر لطیف رضا نے اپنے اخباری بیان میں کہا ہے کہ جنرل ضیاء نے مارشل لا لگاتے کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کو "حفاظتی تحویل" میں لے لیا تھا اور قوم سے وعدہ کیا تھا کہ ۹۰ دن میں الیکشن کرا کر مسلح افواج واپس چلی جائیں گی اور جو بھی پارٹی منتخب ہو کر آئے گی اقتدار اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ بعد میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین سمیت تمام مرکزی قائدین کو مختلف الزامات کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔ ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کیا گیا سینکڑوں کو کوڑے لگائے گئے' جب کہ قومی اتحاد کے رہنما آزاد پھرتے رہے پھر الیکشن کرائے بغیر قومی اتحاد کو حکومت میں شامل کر لیا گیا بیان میں کہا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو صرف ایک فرد نہیں' وہ عوام کے مقبول ترین رہنما ہیں۔ مسئلہ ایک شخص کی زندگی کا نہیں بلکہ ایسے سیاستدان کا ہے جو کہ نہ صرف پاکستان کا پہلا منتخب صدر اور وزیراعظم رہا ہے بلکہ پوری دنیا اُسے عالم اسلام اور تیسری دنیا کا مسلمہ قائد تسلیم کرتی ہے۔ یہ مسٹر بھٹو کی زندگی کا مسئلہ نہیں بلکہ پاکستان کی بقا اور کشمیر کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ اگر انہیں پھانسی دے دی گئی تو پوری انسانیت تو کیا ہمالیہ تک خون کے آنسو روئے گا اور کشمیری قوم تو زندہ درگور ہو جائے گی۔ مسٹر لطیف رضا نے کہا ہے کہ نظرثانی کی درخواست مسترد ہونے کے بعد آزاد کشمیر میں عوام نے مسٹر بھٹو کے حق میں مظاہرے کئے۔ مظاہرین کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ بیان میں آزاد کشمیر کی انتظامیہ کے رویّہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ گرفتار شدگان کو عدالتیں رہا کرتی ہیں لیکن پولیس انہیں پھر گرفتار کر لیتی ہے۔ اس طرح انتظامیہ توہینِ عدالت کی مرتکب ہو رہی ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ آزاد کشمیر میں گرفتاریوں کا سلسلہ بند کیا جائے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میر غوث بخش بزنجو کی این ڈی پی میں شمولیت سے پارٹی میں موجود بائیں بازو کو تقویت ملی اور انہیں ابھرنے کا موقع ملا جب میر بزنجو اور سندھ این ڈی پی نے قومی اتحاد سے نکلنے کی تحریک چلائی تو ولی خان' سردار مزاری' عابد زبیری اور راؤ مہروز اختر نے مخالفت کی مگر بعد میں مجبور ہو کر اجلاس بلوایا گیا جس میں پنجاب کے ستر افراد نے بھی شرکت کی۔ قسور گردیزی' عابدہ حسین' رانا مقبول جنرل سیکرٹری این ڈی پی پنجاب اور ان کے دیگر ساتھیوں نے قومی اتحاد سے علیحدگی کے حق میں رائے دی ان کا خیال تھا کہ رجعت پسند سیاسی جماعتوں سے متحدہ محاذ بنانے سے پارٹی کی جمہوری سوچ کو دھچکا پہنچا ہے بہرحال این ڈی پی نے قومی اتحاد سے علیحدگی اختیار کر لی اس اجلاس کے بعد سے پنجاب میں قسور گردیزی' عابدہ حسین ان کے ساتھیوں نے میر بزنجو اور سندھ این ڈی پی کی سوچ کو آگے بڑھانا شروع کیا جس سے راؤ مہروز اختر لطیف قریشی اور فاروق قریشی وغیرہ بہت پریشان ہوئے کیونکہ ان لوگوں کو جلسے جلوسوں کا چسکا پڑ گیا تھا اور یہ اپنی پارٹی سے زیادہ دوسری جماعتوں میں جلسے جاتے تھے الغرض پنجاب این ڈی پی میں بھی واضح تقسیم ہو گئی اور سنٹرل کمیٹی کے اجلاسوں میں ان دو گروپوں کے مابین اکثر و بیشتر جھڑپ ہوتی رہتی تھی۔

پنجاب این ڈی پی کے الیکشن کرانے کے لئے الیکشن بورڈ کا مرحلہ آیا تو بائیں بازو کے دباؤ کے تحت راؤ مہروز اختر کے مقابلے میں عابدہ حسین کو الیکشن بورڈ کا چیئرمین اور قسور گردیزی کو رکن منتخب کیا گیا۔ اور یہ طے پایا کہ رکنیت سازی کے فارم جو راؤ مہروز اختر نے دبا رکھے تھے چیئرمین الیکشن بورڈ کے حوالے کر دیئے جائیں رکنیت کا چندہ بھی چیئرمین الیکشن بورڈ کے پاس جمع کرایا جائے۔ راؤ مہروز اختر نے بازی ہاتھ سے نکلتے دیکھی تو کراچی سے عابد زبیری کو بلوایا۔ اور باہمی مشورے سے ایک فارمولا پیش کیا گیا کہ الیکشن بورڈ میں دونوں گروپوں کے افراد کو شامل کیا جائے۔ یہ فارمولا دوسرے گروپ نے قبول کر لیا۔ راؤ گروپ نے اپنے آدمیوں کے نام پیش کیے ان میں لطیف قریشی کا نام بھی شامل تھا قسور گروپ نے لطیف قریشی کی مخالفت کی کیونکہ ماضی میں اس شخص کو سنٹرل کمیٹی کا رکن بنانے کے لئے راؤ گروپ نے مزاری پر بہت دباؤ ڈالا تھا۔ لیکن مزاری نے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ لطیف قریشی کے بارے میں بہت ان کہی کہانیاں زبان زدِ خاص و عام ہیں قسور گروپ کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی تو راؤ گروپ نے قسور گروپ کی جانب سے پیش کردہ ناموں میں سے دو پر اعتراض کر دیا جن میں ولایت گردیزی کا نام بھی شامل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شدید بحران پیدا ہو گیا جسے عابدہ حسین نے مسلسل تین دن کی کوششوں کے بعد حل کرایا۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کی برسی کے موقعہ پر جھنگ چلی گئیں اسی اثناء میں میر بزنجو لاہور پہنچے کارکنوں نے ان کا زبردست خیر مقدم کیا جس سے راؤ مہروز اختر گھبرا گئے ان کی مدد کے لئے کراچی سے عابد زبیری آ گئے دونوں نے مشورے کیے منصوبے بنائے اور منظم پلان کے تحت عابدہ حسین کی عدم موجودگی میں دفتر پر دھاوا بولا گیا اور راؤ گروپ رکنیت سازی کے فارم اور فہرستیں اٹھا کر لے گیا اسی دن انہوں نے پریس کانفرنس کی اور مجلسِ عاملہ کے منتخب ارکان قسور گردیزی' عابدہ حسین' رانا مقبول' حافظ محمود اور حنیف وغیرہ کی رکنیت معطل کر دی۔ حالانکہ کوئٹہ کے اجلاس میں فیصلہ ہوا تھا کہ الیکشن سے قبل کوئی بھی صدر پارٹی سے کسی کی رکنیت نہ تو ختم کرے گا اور نہ معطل کرے گا۔

جب اس واقعے کی خبر عابدہ حسین کو ملی تو انہوں نے کراچی فون کر کے مزاری سے بات کی' مزاری نے انہیں پارٹی کے سیکرٹری جنرل ظہور الحق سے رجوع کرنے کی ہدایت کی اور جب ظہور الحق سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے راؤ مہروز کے اقدام کو درست قرار دیدیا۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس واقعے کی خبر ملتے ہی کراچی این ڈی پی کے رہنما سردار مزاری سے ملے۔ اور راؤ مہروز اختر کے اقدام کے خلاف زبردست احتجاج کیا جس پر سردار مزاری نے کہا " میں اس اقدام کے

حق میں نہیں۔ حالانکہ مجھ پر بہت دباؤ ہے کہ راؤ صاحب کے فیصلے کی توثیق کر دوں۔ اس سلسلے میں بیگم ولی خان کے بھی کئی فون آ چکے ہیں۔ وہ فیصلے کی توثیق کے لئے اصرار کر رہی ہیں۔ لیکن میں نے ابھی تک توثیق نہیں کی ہے"

سندھ این ڈی پی کے دباؤ کے تحت سردار مزاری مجبور ہوئے کہ وہ راؤ اور قسور گروپ میں صلح کرائیں ابتداء میں سردار مزاری نے کئی لوگوں کے نام بطور ثالث پیش کیے لیکن ان لوگوں نے ثالث بننے سے انکار کر دیا پھر مزاری نے بیگم ولی خان کا نام تجویز کیا۔ لیکن یہ سب کو علم ہو چکا تھا کہ بیگم ولی راؤ گروپ کی حامی ہیں۔ اور قسور گروپ کی مخالف اس لئے انہیں ثالث ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ پھر مزاری کو صلح کرانے خود پنجاب جانا پڑا۔

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ عابد زبیری نے سردار مزاری کو مشورہ دیا ہے کہ وہ میر بزنجو، سردار مینگل اور سندھ این ڈی پی کے قائدین سے درخواست کریں کہ اختلافات اور جھگڑے کو طول دینے کی بجائے بہتر ہے کہ وہ این ڈی پی سے علیحدہ ہو جائیں بتایا جاتا ہے کہ یہ لوگ رضا کارانہ طور پر علیحدہ نہیں ہونگے بلکہ امکان یہی ہے کہ این ڈی پی باضابطہ طور پر عنقریب دو دھڑوں میں بٹ جائے گی۔

●

افغان بھگوڑے سرحد کے عوام کے لئے مسئلہ بن گئے

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا ایک اجلاس زیر صدارت مرتضٰے خان شاہین منعقد ہوا۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی صوبہ سرحد کے جنرل سیکریٹری جناب عبدالوحید ایڈووکیٹ نے چارسدہ میں پارٹی کے دفتر کا افتتاح کرنے کے بعد اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ملک ۹ ارب روپے کا مقروض ہے۔ اگر اس ملک کے تمام کارخانے بھی فروخت کر دیئے جائیں تو پھر بھی وہ قرضہ دیبود سامراجی ملکوں کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ مسٹر عبدالوحید نے کہا کہ آج اسلام کے مقدس نام پر اس ملک کے عوام کو دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے ایران کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ رجعت پسند جماعتِ اسلامی اور اس کے ہمنوا قوم کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایران کی حالیہ تحریک اور پاکستان کی موجودہ پالیسیوں میں بہت مماثلت ہے اور علامہ خمینی اور مولانا مودودی ایک ہی مسلک کے حامی ہیں۔ انہوں نے اس دعوٰی کو ہی مضحکہ خیز قرار دیا کیونکہ ایران کی تحریک سامراج اور شاہ کے خلاف تھی جبکہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت شاہ پرست اور امریکی سامراج کی ہمنوا ہے۔ مولانا اور اس کی جماعت کا شاہ اور امریکی سامراج کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ ایران کے عوام مستقبل قریب میں ایران میں صاف پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے کے لئے ایک عوامی حکومت عمل میں لائیں گے۔ جناب عبدالوحید ایڈووکیٹ نے افغانستان کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو افغانستان کے عوامی انقلاب کے بعد وہاں پر مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کی حکومت قائم کی گئی ہے۔ انہوں نے تارکین وطن کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھگوڑے مزدوروں کی اصلاحات سے بھاگے ہوئے ہیں۔ حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ ان کو واپس بھجوا دے۔ انہوں نے پاکستان کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے مزدور کسان غریب عوام کی اقتصادی حالت بدتر ہوتی جا رہی ہے حکمران کے مسائل حل کرنے کی بجائے ان کو مذہب کے نام پر دبایا جا رہا ہے انہوں نے کہا کہ اب صرف سوشلسٹ معیشت ہی پاکستان کو خوشحالی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

اجلاس سے مرتضٰے خان شاہین اشرف غمگین حسین خان ایڈووکیٹ، رضا عباس، نصیر احمد خان نے بھی خطاب کیا۔ اجلاس میں پاس کی گئی قراردادوں میں صوبہ سرحد میں کسانوں کی بیدخلیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ کسانوں کی بیدخلیوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ ۲۵ ایکڑ کے مالکان سے عشر وصول نہ کی جائے۔ مزدوروں، اساتذہ، ملازمین کی تنخواہ ایک ہزار روپے مقرر کی جائے۔ ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے جنرل سیکریٹری آفتاب علی کو فوراً رہا کیا جائے نیز تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ عام انتخابات فوراً منتخب کرا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔ تمام اراضیات قومی ملکیت میں لے کر کسانوں میں گزارہ یونٹ یا خود کاشت کی بنیاد پر کسانوں میں تقسیم کر دی جائے۔ سوشلسٹ ممالک کی طرف سے حالیہ امداد کی پیشکش کو قبول کیا جائے۔ اجلاس نے افغان تارکین وطن کے پورے صوبہ سرحد میں پھیل جانے پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور کہا کہ ان کو فوراً واپس کیا جائے کیونکہ وہ صوبہ سرحد کے عوام کے لئے مسئلہ بن رہے ہیں اور عوام ان سے نفرت کرتے ہیں ان تارکین وطن کی سرگرمیاں ناقابل اعتراض ہیں جو کسی بھی طرح قابل برداشت نہیں۔ اجلاس میں برادر ملک ایران میں سامراجی مفادات کے خلاف کامیاب جد وجہد پر عوام سے یکجہتی کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس نے متفقہ طور پر ایران کے انقلاب کو سامراج دشمن انقلاب قرار دیا جبکہ پاکستان کے سرمایہ دار سیاسی جماعتیں آج بھی ان سامراجی مفادات کی حفاظت کر رہی ہیں۔ انہیں ایران کے انقلاب کو اپنا کہتے ہوئے شرم محسوس ہونی چاہیئے۔ ہاں پاکستان کے مزدور، کسان اور غریب عوام ایران کے عوام کے ساتھ ہیں۔ ایک قرارداد میں ایک خاص جماعت کے سرکاری اہلکاروں کی اس کارروائی کی شدید مذمت کی گئی۔●

بھٹو کی سزائے موت منسوخ کی جائے

انجمن تحفظ قبائل کا مطالبہ

گزشتہ دنوں خیبر ایجنسی میں انجمن تحفظ قبائل کے زیر اہتمام ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مختلف ایجنسیوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اجلاس سے انجمن تحفظ قبائل کے صدر مبشر رحمٰن، مہمند ایجنسی کے صدر عطاء اللہ مہمند، جنرل سیکریٹری مبشر بادشاہ خباب گلزار ملاگوری، ملک شاہ وزیر کوکی خیل، صفدر شاہ داوڑ، خیر اللہ شنواری، فضل امین، ملک احسان اللہ آفریدی اور طالب علم رہنما تاج محل آفریدی نے خطاب کیا۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت سے کہا گیا کہ قبائلی عوام مسٹر بھٹو کو سزا دینے کے حق میں نہیں ہیں اس لئے ان کی جاں بخشی کی جائے۔ اجلاس میں مسٹر بھٹو کی رحم کی اپیل کے سلسلے میں فیصلہ کیا گیا کہ بہت جلد ایک قبائلی جرگہ اس سلسلے میں جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کرے گا۔ اس جرگے میں انجمن تحفظ قبائل کے لیڈروں کے علاوہ قبائلی ملک اور طالب علم رہنما بھی شامل ہوں گے۔

فیصلہ کیا گیا کہ یہ جرگہ جنرل ضیاء الحق کو بتائے گا کہ جناب بھٹو نہ صرف ایک سیاسی رہنما ہیں بلکہ پاکستان کے پہلے حکمران ہیں جنہوں نے قبائلی علاقوں پر خصوصی توجہ دی، ترقی اور تعمیر کے ذریعے اس علاقے میں تبدیلیاں لائے۔ اسکول اور بجلی کی سپلائی کا انتظام کیا۔ قبائلی علاقے سے جہالت ختم کرنے کی پوری کوشش کی اور قبائلیوں کو سیاسی شعور دیا اور اس علاقے پر خصوصی توجہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ علاقے ملک کے دوسرے حصوں سے زیادہ پسماندہ ہیں۔ اس لئے قبائلی عوام نے ہمیشہ مسٹر بھٹو کا احترام کیا ہے اور قبائلی عوام ان کی خدمات کے پیش نظر جاں بخشی کے حق میں ہیں۔

جماعت کے غنڈے میرے خون کے پیاسے ہیں

جماعت اسلامی، چنگیز و ہلاکو کے نقشِ قدم پر

"جماعت اسلامی کے کارکن، حمایتی اور زرخرید غنڈے مجھے ہمہ وقت ہراساں اور خوفزدہ کرنے میں مصروف ہیں۔ مجھے ناقابلِ تلافی ذہنی اور جسمانی اذیت میں مبتلا کر کے میری زندگی کو ایک مسلسل عذاب میں ڈال دیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کے بارے میں یہ ایک ایسے شہری کے احساسات ہیں جس کا سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جماعت کے کارکن اس پرامن شہری کو محض اس وجہ سے نقصان پہنچانے کے درپے ہے کہ اس نے جماعت کی غیر قانونی سرگرمیوں اور غنڈہ گردی پر احتجاج بلند کیا۔

سیاست میں جماعت اسلامی کے انسان دشمن افکار و نظریات، کردار اور طور طریقے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ سیاست میں تشدد کا حربہ اور اس کے نام نہاد نظریات سے اتفاق نہ رکھنے والوں کو قابلِ گردن زنی قرار دینا معمول بن چکا ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ خود کو "اسلام" کا نمونہ بنا کر پیش کرنے والی جماعت چنگیز و ہلاکو کی روایات اور ہٹلری اندازِ فکر کے سبب سماجی زندگی میں بھی ملامت کا نشانہ بن چکی ہے۔ اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ جہاں رہو انسانوں کا رفیق بن کر رہو، مگر جماعت اسلامی نے جو اسلام کی ٹھیکیداری کا دعویٰ کرتی ہے، اسلام کے اس زریں اصول کو اپنے مفادات پر قربان کر دیا۔

اورنگ آباد، ناظم آباد مکان نمبر ۲۴۰ کے شہری سعید احمد نے جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات و نشریات محمود اعظم فاروقی کو جو نوٹس ارسال کیا اس میں بیان کردہ حقائق سے جماعت اسلامی کا اسلامی رنگ چھٹ جاتا ہے، سعید احمد کے نوٹس کے مطابق :

۱ : اورنگ آباد، ناظم آباد میں ان کے مکان سے متصل ایک سرکاری پلاٹ کافی عرصہ سے خالی پڑا ہے۔

۲ : جماعت اسلامی اور اس کے کارکن کافی عرصہ سے اس پلاٹ کو غیر قانونی طور پر سیاسی ، اور کمرشل مقاصد میں استعمال کر رہے ہیں۔ وہاں اکثر آئل ٹینکر کھڑے رہتے ہیں۔

۳ : جماعت کے کارکنوں نے سعید احمد کے ساتھ غنڈہ گردی کی جس کی شکایت انہوں نے اس وقت کے کمشنر کراچی سے کی۔ انہوں نے براہِ راست ان کی شکایات سنیں اور کے ایم سی کو حکم دیا کہ اس پلاٹ کو پارک میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ امن و امان میں خلل پڑنے کا امکان باقی نہ رہے۔

۴ : اس واقعہ کے بعد جماعت اسلامی اور اس کے کارکن سعید احمد کے بدترین دشمن اور اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

۵ : سعید احمد نے الزام عائد کیا کہ محمود اعظم فاروقی کی ہدایت پر جماعت اسلامی کے کارکن اس کی ذہنی اور جسمانی ہلاکت کے درپے ہو گئے۔ ذہنی اذیت پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا اور ہراساں کرنے کے متعدد ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ راستے سے گزرتے وقت فقرے اور پھبتیاں کسی جاتیں۔ ہوٹنگ کی جاتی اور اسے رسوا کرنے کے لئے ایسے الفاظ اور زبان استعمال کی جاتی جس میں جماعت پورے ملک میں شہرت رکھتی ہے۔

۶ : جماعت نے اسے ذہنی اور جسمانی طور پر ٹارچر کرنے کے لئے اس کے کارکنوں نے خطرناک ترین ہتھکنڈے استعمال کئے جس کے نتیجے میں اس کا ذہن اور دل بری طرح متاثر ہوا۔ اس کی آنکھیں بھی متاثر ہوئیں چنانچہ اسے متعدد مرتبہ طبی امداد کے لئے اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

۷ : انہوں نے الزام لگایا کہ جماعت کے اس رویے کی وجہ سے اس کا ذہنی اور جسمانی سکون برباد ہو چکا ہے اس ضمن میں سی ایم ایل اے اور صدر پاکستان، ایم ایل اے زون سی کراچی کو محمود اعظم فاروقی اور ان کی پارٹی کے ارکان کے خلاف متعدد درخواستیں دی گئیں لیکن وزیر کی حیثیت سے محمود اعظم فاروقی اپنے پارٹی کے ارکان کو قانون کی گرفت سے بچانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

۸ : سعید احمد نے مولوی محمود اعظم فاروقی پر ایک بڑا الزام یہ بھی لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے ارکان اور غنڈہ عناصر کو ان کے پیچھے لگا دیا ہے۔ انہوں نے مولوی کو خبردار کیا ہے کہ وہ ایسی مذموم سرگرمیوں سے اجتناب کریں بصورت دیگر میری جان و مال کے نقصان کی ساری ذمہ داری محمود اعظم فاروقی پر عائد ہو گی۔

سعید احمد کے پیش کردہ حقائق سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ جماعت ہر اس شخص کی دشمن ہے جو اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں وہ ہٹلر اور گوئبلز کی روایات پر عمل پیرا ہے۔ ** *

آزاد کشمیر میں یونیورسٹی

اور میڈیکل کالج قائم کیا جائے

جموں و کشمیر قومی تنظیم آزادی کی مرکزی سیاسی کمیٹی کا اجلاس گذشتہ دنوں ملتان میں ہوا جس کی صدارت تنظیم کے مرکزی سیکرٹری جنرل جاوید اقبال انجم نے کی۔ اجلاس میں کمیٹی کے ارکان قمر حیدر امام، نعیم عباسی، راجہ افراسیاب خواجہ قیوم حسین محترمہ ذکیہ یوسف، راجہ تنویر احمد اور مجید احمد عباسی نے شرکت کی اجلاس میں آزاد کشمیر اور پاکستان کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا گیا کشمیر میں قوم پرست طلباء مزدوروں اور سیاسی رہنماؤں کی مسلسل نظر بندی پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا اور ان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا اجلاس میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں۔

ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ مارشل لاء انتظامیہ الیکشن کی حتمی تاریخ کا اعلان کر کے اقتدار سپریم کورٹ کے حوالے کر دے تاکہ اقتدار عوام کو منتقل کرنے کا عمل شروع کیا جا سکے۔ اور آزاد کشمیر اور پاکستان میں جمہوریت بحال ہو سکے ایک قرارداد میں جناب بھٹو اور چار دیگر ملزمان کی سزائے موت کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا۔

اجلاس نے اس امر پر گہرے افسوس کا اظہار کیا کہ پاکستان کے رجعت پسند سیاستدان، انقلاب افغانستان کے مخالفین اور بھارت کے ہندو مسلم فسادات پر تو بڑے بیانات دیتے ہیں۔ واویلا مچاتے ہیں لیکن گذشتہ چھ ماہ سے مقبوضہ کشمیر میں کشمیری عوام پر جو مظالم کیے جا رہے ہیں ان کے بارے میں یہ سیاستدان لب تک نہیں کھولتے اور کسی بیان تک نہیں دیتے اجلاس نے پاکستان کی حکومت اور دیگر اسلامی ممالک سے اپیل کی کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں ہونے

والے مظالم پر بھارتی حکومت سے سفارتی سطح پر احتجاج کریں اجلاس میں قائد تحریک آزاد کشمیر مقبول بٹ کو بھارتی سپریم کورٹ کی طرف سے سنائی جانے والی سزائے موت پر شدید احتجاج کرتے ہوئے سزا کو منسوخ اور انہیں رہا کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

ایک قرارداد میں اس بات کی سخت مذمت کی گئی کہ آزاد کشمیر کے انتظامی امور میں جماعت اسلامی اور دیگر رجعت پسند جماعتیں مداخلت کر رہی ہیں اگر کشمیری عوام پر نوکرشاہی اور سامراج کی پروردہ جماعت اسلامی کی بنائی ہوئی پالیسیوں کو مسلط کیا گیا تو پھر حالات خراب ہو جائیں گے اور اس کی ذمہ داری مارشل لا انتظامیہ پر ہوگی ایک قرارداد میں منگلا ڈیم کی ۹۰ فیصد آمدنی کشمیری عوام کی معاشی اور سماجی ترقی پر خرچ کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور حکومت پاکستان سے کہا گیا کہ وہ آزاد کشمیر میں ایک یونیورسٹی، میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج قائم کرے۔

بقیہ: پرانی سیاست گری

کارروائی کرنا پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے انتہائی ضروری ہے یہ بات صحیح بنیادوں پر صحیح نظام اسلام نافذ کرنے کے لئے بھی ضروری ہے یہ بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ نظام اسلام کے نعرے کے تحت بے شمار غیر اسلامی کام کئے جا رہے ہیں اس ملک کا سودا کیا جا رہا ہے وہ تمام حرکات کی جا رہی ہیں جو ۱۹۷۱ء میں کی گئی تھیں اور جس کے نتیجے میں ہمارا پیارا ملک دولخت ہو گیا تھا پھر سب سے زیادہ منافقت خارجہ امور کے میدان میں کی جا رہی ہے ایک طرف سنٹو سے علیحدگی اور غیر جانبدار ممالک کے گروپ میں شرکت کا اعلان کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف ہماری وزارت خارجہ احمقانہ بیانات جاری کر رہی ہے جس میں وہ بیان بھی شامل ہے جو امریکی سامراج کی سرپرستی میں مصر و اسرائیل کی حکومتوں کے درمیان ہونے والے حالیہ عرب دشمن اور اسلام دشمن معاہدہ کے بارے میں جاری کیا گیا ہے اور جس میں نہ صرف یہ کہ اس معاہدہ کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ اسے دوررس نتائج کا حامل قرار دیا گیا ایک طرف تمام عرب ممالک احتجاجاً سادات کے مصر سے سفارتی تعلقات ختم کر رہے ہیں اس کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگا رہے ہیں دوسری طرف ہمارے حکمران سادات کو کینوؤں کے کریٹ بھیج رہے ہیں کیا یہ بالواسطہ طور پر اسرائیل مصر سمجھوتے کی تائید اور اسرائیل دوستی کا اظہار نہیں ہے؟ پاکستان کے عوام کسی طرح بھی اپنے ملک کو شہنشاہ آریہ مہر کا ایران نہیں بننے دیں گے اس ملک کے عوام مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر پاکستان کی موجودہ حکومت واقعی صیہونیت کے خلاف ہے اور اسلامی ممالک سے اتحاد کی پالیسی پر عمل پیرا ہے تو فوری طور پر مصر سے سفارتی تعلقات منقطع کرے۔

بہرحال اس وقت پاکستان اپنی مختصر تاریخ کے ایک انتہائی اہم دوراہے پر کھڑا ہے ایک راستہ تباہی اور انتشار کا راستہ ہے جو آمریت اور مارشل لاء کے تسلسل سے عبارت ہے، دوسرا راستہ جمہوریت انصاف اور عوام کی بالادستی کا راستہ ہے دیکھیں ہم کدھر جاتے ہیں کیا ہم صحیح راستہ پر بڑھنے کے لئے کوئی شعوری کوشش کریں گے۔ ایک بات کا ہمیں ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ جلاد کا وہ ہاتھ جو بھٹو کو پھانسی پر لٹکائے کہیں پاکستان کا ٹھکانہ نہ کردے کیونکہ یقین جانیئے کہ ہمارے ملک میں ایسے عناصر موجود ہیں جو بھاڑے کے ٹٹو ہیں اور ملک کو شعوری یا غیر شعوری طور پر تختہ دار پر چڑھا دینا چاہتے ہیں۔

بقیہ: اسلام آباد

کو اسی طرح قربان کرتے رہیں گے ہم کب تک اپنے ہی بنائے اصولوں کی اپنے مفادات کے لئے دھجیاں بکھیرتے رہیں گے اس سوال کا جواب ہمیں امید ہے کہ جنرل ضیاء الحق صاحب اور شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار مولانا مفتی محمود سے تو ہرگز ہی نہیں پڑے گا۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بچانے کے لئے جو اپیلیں ہو رہی ہیں اور جن کا صدر جنرل ضیاء الحق پر اس لئے کوئی اثر نہیں ہوا کہ یہ ایک سیاستدان کو بچانے کے لئے ... سیاستدانوں کی ٹریڈ یونین سرگرمی کا حصہ تھیں بعض حلقوں میں کہا جا رہا ہے کہ جنرل ضیاء صاحب پر اپیلوں کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات نے کسی بھی وقت پاکستان آنے کا فیصلہ کیا ہے شاید یاسر عرفات کی پاکستان آمد کو اس طرح نظر انداز نہ کیا جاسکے جیسے رحم کی مختلف اپیلوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے سہانے پر سہاگہ سپریم کورٹ کے ایک معزز جج مسٹر جسٹس صفدر شاہ کی غیر ملکی اخبار نویسوں سے بات چیت نے کر دیا یہ بات چیت بی بی سی نے نشر کردی اگلے روز جو وضاحت رجسٹرار صاحب کی وساطت سے جاری کرائی گئی اس میں ان تمام باتوں کا ... کیا گیا جو محترم جج نے بی بی سی کے نمائندے سے سرراہ بات چیت کے دوران کی تھیں مگر ... دیکھئے کہ جو خبر پاکستان میں آزادی صحافت کے شدید دعوؤں کے باوجود نہیں چھپنے دی گئی وہی خبر من وعن اگلے روز رجسٹرار سپریم کورٹ کے حوالے سے سارے ملک کے اخبارات کی زینت بنی، راولپنڈی کے ایک اخبار نے بی بی سی کو دیئے گئے محترم جج صاحب کے انٹرویو! بات چیت کی خبر اپنے اخبار میں چھاپنی چاہی تو سنسر کرنے والے بقراطوں نے اس خبر کو چھپنے کی اجازت نہیں دی جب اخبار کی انتظامیہ نے اصرار کیا تو اس بقراط نے کہا جج صاحب جج اپنے گھر کے ہونگے اخبار کی انتظامیہ نے جب بقراط سنسر آفیسر کے الفاظ من وعن ایک معزز وکیل کو بتائے تو انہوں نے کہا جج ہر وقت جج ہوتا ہے اور جس شخص نے یہ الفاظ کہے ہیں اس کے خلاف توہین عدالت کی درخواست دائر کر دی جائے یہ قانونی مشورہ سن کر سنسر آفیسر نے کہا۔ خدا کے واسطے میری نوکری کے پیچھے مت پڑو میں لاہور بات کرتا ہوں تھوڑی دیر بعد انٹرویو کسی سرخی کے بغیر شائع کرنے کی اجازت مل گئی مگر دوسرے برخوردار اخبارات میں یہ خبر سرے سے چھپنے ہی نہیں دی گئی مارشل لاء حکومت کا یہ دعویٰ کہ پاکستان میں جس قدر آزادی صحافت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھی ایسا جھوٹ ہے۔ صرف جماعت اسلامی ہی ڈٹ کر بول سکتی ہے اور مسلسل بول رہی ہے اس آزادی کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ حکومت نے چند اخبارات پر اس طرح سنسر عائد کر رکھا ہے کہ ان میں پاکستان ریڈیو سے لی گئی اور دوسرے پاکستانی اخبارات میں چھپی ہوئی خبریں بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جب اخبارات یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ یہ خبر انہوں نے ریڈیو پاکستان سے لی ہے یا فلاں پاکستانی اخبار سے نقل کی ہے تو جواب ملتا ہے کہ ریڈیو اور دوسرے اخبارات پر سنسر نہیں ہے سنسر آپ پر ہے پابندی آپ کو کرنا پڑے گی چنانچہ حکومت کے عائد کردہ سنسر کی زد میں آنے والے اخبارات کے کالم کے کالم وہ لوگ اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں جو اگر سرکاری ملازمت میں نہ ہوں تو کسی اخبار کے دفتر میں ملازم بھی نہ ہو سکیں کہ اخبار کے دفتر میں ملازم چپراسی کو بھی خبر کے بارے میں ان افسروں سے زیادہ شدبد ہوتی ہے جو آجکل اخبارات پر عائد سنسر کی پابندیوں کو اپنی جانب سے مزید سخت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

بقیہ : غنیوں کی دنیا

یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ الغرض یہ اجلاس مسٹر بھٹو کی خواہش کا احترام نہ کر سکا۔ کیونکہ ارکان کی اکثریت کو مسٹر بھٹو کے بجائے اپنے مفاد عزیز تھے وہ اپنی کھال بچانا چاہتے تھے۔ اور ایسا ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ جو رہنما عوام میں مقبول تھے، جن کی جڑیں عوام میں تھیں۔ وہ پس دیوارِ زنداں ہیں، اور جو رہنما باہر ہیں، بقول پارٹی کارکن، ان کے پَر کاٹے جا چکے ہیں۔ یا پھر وہ عوام میں مقبول نہیں ہیں۔

ایسی صورت حال میں ان لوگوں کے پاس اپنا چہرہ بچانے کے لئے ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا کہ وہ جنرل ضیا سے سزائے موت ختم یا کم کرنے کی درخواست کریں مجلس عاملہ کے چند ارکان، جو عرضداشت کی بجائے جدوجہد کی راہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے خاموش رہے کہ اکثریت ان کے خلاف تھی۔ اور وہ اس کٹھن مرحلے میں پارٹی میں کوئی تفرقہ پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس سے بھٹو اور پیپلز پارٹی ہی متاثر ہوتی اور نقصان ہوتا۔

پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے عرضداشت کی تھی کہ مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ اور مسٹر بھٹو کی سوتیلی بہن نے بھی اپیلیں کر دیں۔ مسٹر بھٹو کی بہن ایک گھریلو خاتون ہیں۔ سیاست سے ان کا کوئی واسطہ نہیں اور انہوں نے بھائی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھائی کی خواہش کے خلاف اپیل کر دی۔ اس لئے ان کی بہن کی اپیل کو سیاسی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

مرکزی مجلس عاملہ کے اقدام نے جو اس نے اپنے چیئرمین کی خواہش کے برعکس کیا، پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو مشتعل کر دیا ہے۔ ہماری ملاقات پیپلز پارٹی کے ایسے سینکڑوں کارکنوں سے ہوئی، جن کا خیال ہے کہ "بھٹو سے نہ صرف مرکزی مجلس عاملہ بلکہ ان کے بعض انتہائی با اعتماد ساتھیوں نے غداری کی ہے" وہ الزام لگاتے ہیں کہ "ان لوگوں نے بھٹو کے سر کی قیمت وصول کر لی ہے"۔ کارکنوں کا خیال ہے کہ اگر مسٹر بھٹو شہید ہو گئے تو یہی لوگ بھٹو کے مجاور بن جائیں گے اور اس طرح عوام سے ووٹ لینے کی کوشش کریں گے۔ عام تاثر یہ ہے کہ وڈیروں پر مشتمل پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ابتدا ہی سے اس عمل کو تارپیڈو کیا جس کے نتیجے میں بھٹو کی رہائی کے لئے تحریک شروع ہو سکتی تھی۔ کارکن کہتے ہیں کہ پارٹی کے رہنماؤں میں اگر کوئی مخلص رہا تو وہ بیگم نصرت بھٹو، بے نظیر بھٹو، میر مرتضیٰ بھٹو اور پارٹی کے عام کارکن ہیں۔ یا پھر پاکستان کے کسان، مزدور، طلبا اور نچلے اور درمیانے طبقے کے افراد مسٹر بھٹو کے لئے مخلصانہ کوششیں کرتے رہے۔

اب مسٹر بھٹو کی زندگی کا انحصار جنرل ضیا کے فیصلے پر ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق مختلف جماعتیں اور طبقات مسٹر بھٹو کو جلد از جلد پھانسی دینے کے لئے جنرل ضیا پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ سب سے زیادہ دباؤ جماعت اسلامی کی طرف سے ہے جماعت اسلامی نے اپنی تمام شاخوں کو ہدایت کر دی ہے کہ بھٹو کو ضرور پھانسی دی جائے گی اور وہ "خوشی" منانے کے لئے مٹھائی کے آرڈر دے دیں۔ جمیعت علمائے اسلام، پی ڈی پی، مسلم لیگ پگارا گروپ چٹھہ مسلم لیگ نے جنرل ضیا کو "گرین سگنل" دیدیا ہے۔ این ڈی پی کے سربراہ سردار شیرباز مزاری اور ولی خان نے جنرل ضیا سے حالیہ ملاقاتوں میں" بھٹو کو لٹکا دینے" کے حق میں رائے دی ہے۔ البتہ این ڈی پی کے میر غوث بخش بزنجو، سردار عطاء اللہ مینگل پھانسی کے حق میں نہیں، وہ سیاسی موت کو جسمانی موت سے بہتر سمجھتے ہیں۔

دوسری جانب بیوروکریسی کے ایک گروپ اور صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے بھی جنرل ضیا پر دباؤ ڈالا ہے کہ "بھٹو کا صفایا کر دیا جائے"۔ صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے مارشل لاء حکام کو یقین دلایا ہے کہ اگر بھٹو کو پھانسی دیدی گئی تو وہ بیرون ملک سے اپنے سرمائے کا ایک بڑا حصہ پاکستان منگوالیں گے اور ملک میں سرمایہ کاری کریں گے۔ لیکن وہ اس یقین دہانی میں مخلص نہیں۔ ان کے قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ اگر بھٹو کو تختۂ دار پر لٹکا بھی دیا گیا تب بھی سرمایہ دار بیرون ملک سے اپنا سرمایہ واپس نہیں لائیں گے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بھٹو کی موت کے بعد ملک کے حالات مزید بدتر ہو جائیں گے۔ بہر حال وہ یقین دہانی کرا کر مسٹر بھٹو سے انتقام لینا چاہتے ہیں کیونکہ انہوں نے بھاری صنعتوں، بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے لیا تھا۔

بہر حال اب گیند جنرل ضیا کے کورٹ میں ہے اور وہ رحم کی درخواستیں رد کرنے سے قبل ہزار مرتبہ سوچیں گے کیونکہ ایک معزول سربراہِ حکومت کو پھانسی دینے سے جو روایت قائم ہوگی اگر وہ چل نکلی تو پھر...؟ علاوہ ازیں بھٹو کو پھانسی دینے سے ملک کے استحکام اور یک جہتی کو جو دھچکہ لگے گا، کیا ملک اُسے برداشت کر پائے گا—؟

بقیہ : مصر اسرائیل معاہدہ

ہے۔ خطرناک بات یہ ہے کہ اردن کے مقبوضہ کنارے اور غزہ بدستور اسرائیل کی اپنی تحویل میں رہیں گے جس سے اسرائیل کی نسل پرست حکومت کو ان علاقوں سے فلسطینیوں کی بیدخلی کی رفتار مزید تیز کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور ان کی جگہ اسرائیلیوں کو آباد کیا جائے گا۔ اسرائیل کو جولان کی پہاڑیوں پر اپنا قبضہ جمائے رکھنے میں بھی آسانی رہے گی۔

مبصرین کے نزدیک اس معاہدے کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں فلسطینیوں کے علیحدہ، آزاد اور خود مختار وطن کے قیام کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انہی حلقوں کا کہنا ہے کہ اس معاہدے سے مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن قائم ہونے کی بجائے ایک نئی جنگ چھڑنے کے امکانات بڑھ گئے ہیں کیونکہ اس میں فلسطینیوں کے علیحدہ وطن کے وجود اور عرب ملکوں کے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کے بارے میں منافقانہ خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی ایسے معاہدہ کی کامیابی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا جس میں مشرق وسطیٰ کے بنیادی مسئلے کو گول کر دیا جائے۔ قدرتی طور پر اس معاہدے کی وجہ سے مصر کی حیثیت امریکہ کے ایک ایسے اتحادی سے زیادہ نہیں ہوگی جو اپنے برادر پڑوسیوں سے کٹا ہوا ایک مہرے کی طرح آگے پیچھے گھوم رہا ہوگا۔

سادات امریکہ اور اسرائیل کو مراعات دینے میں اتنے دور نکل گئے کہ اب ان کی واپسی کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ حیرت اس بات پر کی جا رہی ہے کہ انہوں نے اپنے ہم عصر شاہ ایران کے زوال سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا جو امریکہ کے بہترین وفادار اور خلیج فارس کے چوکیدار تھے یہ بات بھی ان کے علم میں ہوگی کہ امریکہ روبہ زوال بادشاہوں اور حکمرانوں کا کبھی ساتھ نہیں دیتا بلکہ دھکا دینے والوں میں سب سے زوردار رنگ وہی لگاتا ہے۔

Regd. No. S-2772
Weekly "Al-Fatah" Karachi

ہالہ میں پنجابی آبادکاروں کے خون سے "ہولی"!

سندھ میں
پنجابی سندھی فساد کی خوفناک سازش

الفتح کے خصوصی نمائندوں احسان عظیم اور
محمد نواز خلجی کی رپورٹیں
صفحہ ۳۳ پر

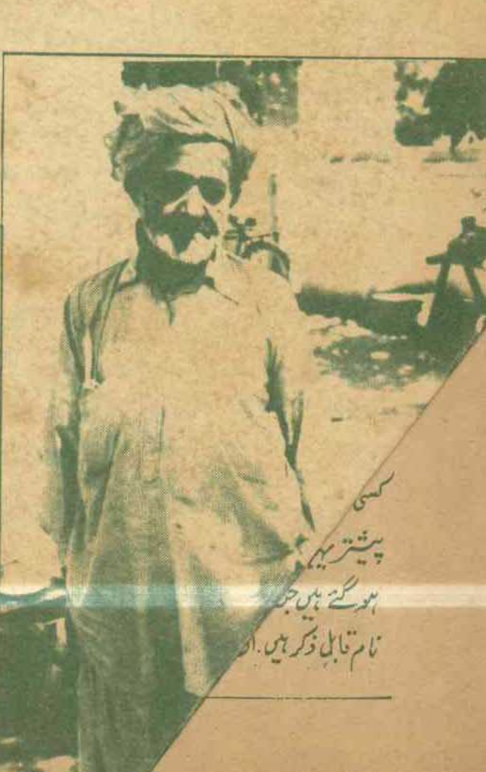

حاجی محمد صدیق ◀ قاضی محمد اعظم ▲ میراں علی شاہ کی درگاہ ▼ مخدوم محمد نواز ▲

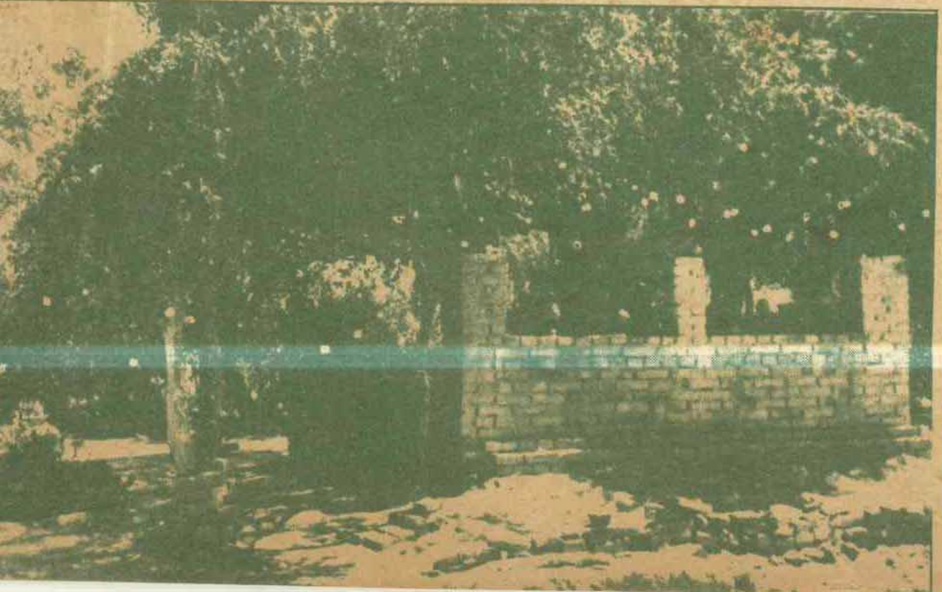

کسی
پیشتر یہ
ہو گئے ہیں جب
نام قابل ذکر ہیں۔ ا